فروری ۲۰۰۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عرض احوال

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

فتنۂ انکارِ حدیث

فتنۂ انکارِ حدیث دورِ حاضر کا ایک عظیم فتنہ ہے جس کے اثرات اُمتِ مسلمہ میں تیزی کے ساتھ پھیل رہے ہیں اور خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ اور عقلیت پرست لوگ اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ احادیثِ نبویہؐ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کا تحریری ریکارڈ ہیں اور قرآن کی وضاحت کے لیے ہم احادیث کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ یہ حقیقت خود قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے وہیں اس کی شرح و وضاحت بھی اپنے ذمے لی ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ۝١٩﴾ (القیٰمہ) ——— اور یہ شرح و وضاحت اللہ تعالیٰ نے صاحب قرآن جناب محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے فرمائی ہے۔ سورۃ النحل میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝٤٤﴾

''(اے نبیؐ) ہم نے آپ پر یہ ذکر اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے اس شے کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی' شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔''

چنانچہ آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی بتمام و کمال پورا فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید کے الفاظ بھی سکھائے اور اس کے معانی و مطالب بھی۔ اور ظاہر ہے کہ معانی و مطالب کی یہ تعلیم آپ ﷺ نے اُمت کو اپنے پاس سے نہیں دی بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تھی۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلَا اِنِّیۡ اُوۡتِيۡتُ الۡكِتَابَ وَمِثۡلَهٗ مَعَهٗ)) (رواہ ابوداؤد واحمد) ''آگاہ رہو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی اور شے بھی (یعنی حدیث وسنت)''۔ چنانچہ قرآن کریم اور حدیث نبویؐ لازم وملزوم ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حدیث وسنت کی راہنمائی کے بغیر قرآن مجید سے دو رکعت نماز کی ترتیب تک معلوم نہیں کی جاسکتی۔

بدقسمتی سے دورِ حاضر میں اہل ایمان کے دلوں سے حرارتِ ایمانی ختم کرنے اور انہیں اللہ، رسول، دین اور قرآن سے بے تعلق کرنے کی خاطر جو فتنے ایک سازش کے تحت اٹھائے جا رہے ہیں فتنۂ انکارِ حدیث وسنت ان میں سے ایک عظیم فتنہ ہے۔ محمد عربی ﷺ نے قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے تمام فتنوں کی پیشین گوئی فرما دی تھی اور اُمت کو ان سے خبردار فرما دیا تھا۔ آپ ﷺ نے آگاہ فرما دیا تھا کہ ''میں تم میں سے کسی شخص کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور اُس کے سامنے کوئی ایسا معاملہ آ جائے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا اُس سے میں نے منع کیا ہو تو وہ بے اعتنائی سے کہنے لگے کہ میں اسے نہیں جانتا، ہم نے تو جو کچھ کتابُ اللہ میں پایا اس کا اتباع کر لیا''۔ (ترمذی)

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ دین اسلام اور شریعت اسلامی کی دو بنیادیں ہیں اور ان میں سے ایک کی نفی دین وشریعت کی عمارت کو منہدم کر دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ حدیث وسنت کے انکار کے بعد ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اپنے معنی کھو دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ حق اس فتنے کے آغاز ہی سے اس کے سدّ باب کی کوششوں میں مصروف ہو گئے اور آج بھی اس محاذ پر منکرینِ حدیث وسنت کے مقابل ڈٹے ہوئے ہیں۔ بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ اپنے دروس وخطابات میں ہمیشہ حدیث وسنت کی اہمیت بیان فرماتے رہے ہیں۔ چند ماہ قبل آپ نے جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں اپنے خطاباتِ جمعہ میں درسِ حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا اور امام یحیٰی بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تالیف ''اربعین نوویؒ'' کی احادیث کے سلسلہ وار مطالعہ کا آغاز فرمایا۔ اس ضمن میں اپنے پہلے خطاب میں محترم ڈاکٹر صاحب نے ''حدیث کی اہمیت اور اس کا مقام ومرتبہ'' کے موضوع پر اظہار خیال فرمایا تھا۔ یہ خطاب میثاق کے گزشتہ شمارے میں شائع کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے کا دوسرا خطاب حدیث نبویؐ ((**اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ**......)) کی شرح ووضاحت پر مشتمل تھا، جسے ترتیب وتسوید کے بعد زیرنظر شمارے میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ oo

فہم حدیث

عمل میں نیت کی اہمیت

اور

قرآن وحدیث میں ربط وتعلق

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا یکم جون ۲۰۰۷ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ــــ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی ، فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ، وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ)) (متفقٌ علیہ)

آج ہم اللہ کا نام لے کر خطاباتِ جمعہ میں ''اربعینِ نوویؒ'' کے سلسلہ وار مطالعہ کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے میں نے بطورِ تمہید ''حدیث کی اہمیت اور اس کا مقام ومرتبہ'' کے موضوع پر خطاب کیا تھا۔ آج ہم ''اربعین نوویؒ'' کی پہلی حدیث کا مطالعہ

کریں گے۔ اس حدیث مبارکہ سے پہلے میں نے خطبہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کا ابتدائی حصہ بھی پڑھا' تاکہ واضح ہو جائے کہ قرآن اور حدیث میں کتنا گہرا ربط ہے۔ یہ دونوں دراصل ایک ہی سکے کے دو رُخ یا بالفاظِ دیگر ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ قرآن مجید میں جو بات بڑے شاہانہ اندازِ خطاب میں آتی ہے احادیث میں وہ بات نہایت شاندار الفاظ میں آتی ہے تاکہ اس کی پوری طرح وضاحت ہو سکے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ پر یہ الذکر (قرآن مجید) نازل فرمایا' تاکہ آپ لوگوں کے لیے واضح کریں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

قرآن کریم اصل میں لوگوں کی ہدایت کے لیے تھا جو آنحضورﷺ کے پاس امانت تھا۔ اس لیے آپؐ کے ذریعے لوگوں کے لیے اس کی وضاحت ضروری تھی۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کو میں نے ''آیة البر'' کا عنوان دیا ہے۔ معانی اور علم وحکمت کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی عظیم ترین اور طویل ترین آیات میں سے ہے۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں نیکی کا جو تصور ہے وہ عمل کے محض ظاہری پہلو کے اعتبار سے ہے کہ یہ نیکی کا بہت بڑا کام ہے۔ اس لیے کہ اس نیک عمل کے پیچھے جو محرک ہوتا ہے وہ انہیں معلوم نہیں ہو سکتا' یا محض گمان کی حد تک ہوتا ہے' جبکہ گمان بھی یقین کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارا نیکی کا یہ تصور رفتہ رفتہ صرف ظاہر تک محدود ہو جاتا ہے' باطن کی طرف توجہ نہیں رہتی۔

دراصل ہر عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں' ایک اس کا ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا باطن۔ یعنی باطن میں عمل کا محرک کیا ہے اور ظاہر میں عمل کی شکل کیا ہے۔ اگرچہ ظاہر بھی اپنی جگہ اہم ہے' اس لیے کہ ع ''لطافت بے کثافت جلوہ آرا ہو نہیں سکتی'' کے مصداق کسی لطیف شے کو واضح ہونے کے لیے کوئی کثیف شے درکار ہوتی ہے۔ لیکن اصل شے' جس پر زیادہ زور ہونا چاہیے' وہ اس کا باطن ہے' یعنی اس کی نیت۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ''نیکی

یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کرلو' بلکہ نیکی حقیقت میں اس کی ہے جو اللہ پر' روزِ قیامت پر' فرشتوں پر' کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لایا''۔

یہ آیت مبارکہ ہمارے مرتب کردہ مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا درس نمبر۲ ہے' جس پر میں نے متعدد بار مفصل دروس دیے ہیں۔اس وقت یہ بات سمجھانی مقصود ہے کہ ایمان سے نیکی کا کیا تعلق ہے۔ایمان درحقیقت کسی عمل کے محرک کو معین کرتا ہے۔ نیکی اللہ کی نگاہ میں صرف وہ عمل ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے اور جس کی جزا صرف آخرت میں مطلوب ہو۔ اگر دنیا میں اس کی جزا مطلوب ہے تو یہ ایک دھندا اور کاروبار ہے' نیکی ہرگز نہیں ہے۔کاروبار کرنا اپنی جگہ جائز ہے' لیکن وہ کاروبار کی شکل میں ہو۔ یہ چیز نہایت خطرناک اور گمراہ کن ہے کہ نیکی کا لبادہ اوڑھ کر اسے کاروبار کا ذریعہ بنایا جائے۔

مذکورہ بالا آیت میں ایمان باللہ کے بعد دیگر ایمانیات میں ایمان بالرسالت کا ذکر بھی ہے۔ درحقیقت ہمیں نبوت ورسالت کے ذریعے سے نیکی کا ایک ماڈل ملتا ہے کہ نیکی کے مختلف اعمال کسی شخصیت میں ایک توازن کے ساتھ آئیں۔ ورنہ بسا اوقات نیکی ہی کا جذبہ حدِّ اعتدال سے تجاوز کر کے بدی کا راستہ کھول دیتا ہے۔ چنانچہ نیکی ہی کا جذبہ تھا جس نے دنیا میں رہبانیت کی شکل اختیار کی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾(الحدید:۲۷)

''یہ رہبانیت تو خود انہوں نے (حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے) ایجاد کی' ہم نے تو یہ ان کے اوپر فرض نہیں کی تھی''۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِی الْاِسْلَامِ)) (۱)

''دینِ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

یہ بات ظاہر ہے کہ رہبانیت اختیار کرنے والے یہ کام کرتے تو نیکی کے جذبے سے ہیں'

---

(۱) مراسیل ابی داوٗد' ح ۲۸۷۔ وفتح الباری لابن حجر۱۳/۹۔ وسلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی ۳۸۷/٤۔

لیکن وہاں نیکی غیر معتدل اور غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ توازن کے ساتھ نیکی کا ایک مکمل مجسمہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے جو ہمارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ لیکن محرکاتِ عمل کا تعلق ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے ہے۔ نیکی اسی لیے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے' اس سے صرف آخرت کی جزا اور اُخروی نجات مقصود ہو۔

اس حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث کے اندر سادہ انداز میں بیان فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں یہ بات جان لیں کہ اکثر محدثین کرامؒ نے جو مجموعے مرتب کیے ہیں ان میں سب سے پہلے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کرامؒ بھی تو جمع و تدوین حدیث کی صورت میں ایک عمل اور ایک جدوجہد کر رہے تھے۔ آنحضور ﷺ کی احادیث کی جمع و تدوین بہت بڑی نیکی تھی' اس پر جرح و تعدیل کا کام بہت محنت طلب تھا' جس میں بڑے خطرات تھے کہ کسی ایسے شخص کی روایت قبول نہ کر لی جائے جو جھوٹ بولتا ہو اور جھوٹی احادیث گھڑتا ہو' مبادا اُمت میں فتنہ پیدا ہو جائے۔ یہ ایک بڑی محنت طلب اور مشقت طلب جدوجہد تھی اور اس میں اصل شے ان کے نزدیک نیت کا معاملہ تھا' اسی لیے وہ اس حدیث کو پہلے لائے ہیں کہ اللہ کرے اس مجموعے کے مرتب کرنے میں ہماری نیت میں سوائے اللہ کی رضا اور آخرت کی جزا کے اور کوئی شے شامل نہ ہو۔

اب ہم اس حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی امیر المؤمنین ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں' چنانچہ ابوحفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ حدیث ہے: **عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ** رضی اللہ عنہ **قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ** ﷺ **یَقُوْلُ** ''امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود سنا اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے''۔ (اصل میں بعض اوقات روایت شروع ہو جاتی ہے ''**عَنْ فُلَانٍ**'' سے کہ فلاں صاحب سے روایت کیا گیا۔ اب یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان صاحب نے یہ خود آنحضور ﷺ سے سنا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی صحابی سے سنا

ہو' وہ خود براہِ راست سامع نہ ہوں۔ لہٰذا جب ''عَنْ'' سے بات شروع ہو تو کافی نہ ہو گی۔ یہاں فرمایا گیا: قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ''فرماتے ہیں: میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا'')۔ اب آگے حدیث کا متن ہے: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) ''بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے''۔ یہاں عام آدمی سمجھے گا کہ ''عمل'' کا لفظ عام ہے اور نیکی اور بدی دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ لیکن یہ مغالطہ ہے۔ عربی زبان میں جو دو الفاظ ''عمل'' اور ''فعل'' اور ان کی جمع ''اعمال'' اور ''افعال'' ہیں' ان کے استعمال میں فرق ہے۔ اس ضمن میں قرآن و حدیث سے جو وضاحت ہوتی ہے وہ یہ کہ ''عمل'' کہتے ہیں اس کام کو جس میں مشقت ہوتی ہو' جو محنت طلب ہو' جس کے بعد انسان تکان محسوس کرے۔ اسی لیے قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴﴾ (الغاشية) ''بعض چہروں پر قیامت کے دن تکان طاری ہوگی' وہ لوگ ہوں گے تپتی ہوئی آگ کے اندر''۔ یہاں حدیث مبارکہ میں گفتگو نیکی کے بارے میں ہو رہی ہے' برائی کے کام کی بات نہیں ہو رہی کہ آپ کر تو معصیت کا کام رہے ہیں لیکن نیت آپ کی نیک ہے۔ قرآن و حدیث کے بعض مقامات اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں اعمال کا اطلاق معصیت اور گناہ کے کاموں پر نہیں ہوگا' بلکہ نیک اور بھلے کاموں پر ہوگا۔

آگے فرمایا: ((وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى)) ''اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی''۔ عمل کا ظاہر کچھ بھی ہو' لیکن اللہ کی نگاہ میں اصل شے اس کام کے پیچھے انسان کی نیت ہے۔ عرفِ عام میں اسے یوں سمجھئے کہ جب الیکشن کا دَور آنے والا ہو تو اب وہ چودھری اور سرمایہ دار جو اپنے محل میں ٹکا رہتا ہے' اب گلیوں میں نکلتا ہے' غریبوں سے بغل گیر ہوتا ہے' میلے کچیلے بچوں کو گود میں اٹھاتا اور انہیں پیار کرتا ہے۔ اب اس کا فیصلہ سب دیکھنے والے کر لیتے ہیں کہ وہ کس لیے ایسا کر رہا ہے۔ یہ کوئی حقیقی شفقت و محبت نہیں ہے' جو کہ نیکی کے کام ہیں' بلکہ یہ تو ووٹ لینے کا ایک دھندہ ہے۔ یہ تو ایسی حرکات ہیں جو ہمیں نظر آ رہی ہیں اور جن کے بارے میں ہم خود فیصلہ کر سکتے ہیں'

لیکن بعض چیزیں ہمارے مشاہدے سے بالکل مخفی ہوتی ہیں۔ اس کے لیے انسان کے اندر خود احتسابی ہونی چاہیے کہ میں کیا کر رہا ہوں' کس لیے کر رہا ہوں' کہیں میری نیت میں کوئی فساد تو پیدا نہیں ہوگیا' کہیں مجھ پر شیطان تو حملہ آور نہیں ہوگیا۔ لہٰذا جو نیت ہوگی وہی ملے گا' صرف عمل کے ظاہری پہلو سے جزا نہیں ملے گی۔ کسی نے بڑی فاؤنڈیشن بنا دی ہو اور اس سے لوگوں کو بہت خیر پہنچ رہا ہو' لیکن آپ کو کیا معلوم کہ اس کے پیچھے اس کی نیت کیا ہے۔ آیا سرکار دربار میں رسائی حاصل کرنا اور انکم ٹیکس میں ہیرا پھیری اس کا مقصد ہے یا اللہ کی رضا پیش نظر ہے' یہ صرف اللہ جانتا ہے۔ دنیا میں ہم کہیں گے کہ نیکی کا کام ہے' بڑا اچھا کام ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا سارا معاملہ نیت کے حوالے سے طے ہوگا۔

اب اس کے لیے آنحضورﷺ نے ایک مثال دی: ((فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ)) ''پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی' تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کے حساب میں شمار ہوگی''۔

ہجرت یہ تھی کہ اہل ایمان کو حکم ہوگیا تھا کہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ و اور مدینہ منورہ پہنچو۔ اہل وعیال کو چھوڑنا پڑے تو مکہ مکرمہ کے بھیڑیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ و۔ اسی طرح جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے قبائل میں مسلمان تھے انہیں بھی حکم تھا کہ اپنے قبیلوں کو چھوڑ و اور مدینہ منورہ چلے آؤ۔ تمام اہل ایمان کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کے حکم کی وجہ میں نے اپنی کتاب ''منہج انقلابِ نبویؐ'' میں پورے دلائل کے ساتھ بیان کی ہے کہ اب رسول اللہﷺ کی جدوجہد میں وہ دَور آ رہا تھا جس میں کفر کے ساتھ براہِ راست تصادم ہونا تھا' لہٰذا ضرورت تھی کہ پوری قوت ایک مرکز پر جمع ہو جائے' کیونکہ اگر قوت منتشر ہے' کچھ لوگ یہاں ہیں کچھ وہاں ہیں تو کوئی مؤثر اقدام نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا یہ ہجرت فرض تھی۔ اس سے پہلے حبشہ کی طرف دو ہجرتیں ہوئیں تھیں جو کہ رضا کارانہ تھیں' ان میں صرف اجازت دی گئی تھی کہ اگر یہاں کی سختیاں نہیں جھیلی جا رہی ہیں اور صبر کا پیمانہ

لبریز ہورہا ہے تو حبشہ میں جا کر پناہ گزیں ہو جاؤ۔ اس لیے کہ وہاں ایک عادل' نیک اور اچھا بادشاہ ہے۔ لیکن مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرض تھی' کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے اندر ایک اہم قدم کی حیثیت رکھتی تھی۔

اب دیکھیں ہجرت کا ظاہر تو یہ ہے کہ کوئی شخص مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ آ گیا ہے' اسے ہم مہاجر ہی کہیں گے' لیکن اس کی ہجرت کا اصل سبب کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان' اُن کی محبت اور ان کے حکم کی پیروی ہے یا کوئی اور مقصد ہے؟ یہ اللہ جانتا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ((**فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا**)) ''اور جس کی ہجرت ہوئی دنیا کے حصول کے لیے تاکہ دنیا حاصل کرے'' ((**اَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا**)) ''یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہجرت کی'' ((**فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ**)) ''تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لیے شمار ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی''۔ اس بات کو سادہ سی مثال سے سمجھیں کہ مکہ مکرمہ میں کوئی مسلمان دکانداری کر رہا تھا یا کوئی اور کام کر رہا تھا' جیسے حضرت خباب رضی اللہ عنہ لوہار تھے' تو اس کے ایمان لانے کے بعد کفار تو اُس سے کوئی کام نہیں کرواتے ہوں گے' کیونکہ اہل ایمان اور کفار کے مابین کشیدگی پیدا ہو چکی تھی اور صرف اہل ایمان ہی اس سے کام کرواتے ہوں گے' اور اب وہ تو مدینہ منورہ چلے گئے۔ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے گاہکوں کی خاطر مدینہ منورہ ہجرت کر گیا ہو۔ یہ باریک بات ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے' کوئی دوسرا شخص کسی پر کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے علمِ کامل کے حساب سے اپنے رسول ﷺ کو بتا رہا ہے اور آپ ﷺ ہمیں بتا رہے ہیں۔ یا فرض کریں کوئی صاحب کسی خاتون سے نکاح کے خواہش مند تھے' وہ خاتون ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں تو اب یہ بھی کچے دھاگے سے بندھے وہاں پہنچ گئے۔ اب یہ بھی ہجرت تو کر رہے ہیں' لیکن ان کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے شمار نہیں ہوگی' بلکہ اس خاتون کے عشق اور محبت کے زمرے میں آئے گی۔ کہتے ہیں کہ ایک صاحب کو ''مہاجر اُمّ قیس'' کہا جاتا تھا' یعنی انہوں نے اُمّ قیس کے لیے ہجرت کی تھی۔

بہرحال اللہ کے ہاں کسی بھی عمل کا دار و مدار نیت پر ہوگا اور دنیا میں ہم نیتوں کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کسی کی نیت پر شک کرنا اور حملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ دلوں کا حال کیا ہے۔ دلوں کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ ''عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ))[۲]

''بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا' بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔''

اگر عمل صحیح اور نیک ہے اور دل میں اس کے لیے جو محرک اور جذبہ ہے وہ بھی صحیح ہے تو ایسا عمل اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔ اب اسی حوالے سے چند احادیث دیکھیں کہ یہ بات رسول اللہﷺ نے کس انتہا تک پہنچائی ہے۔ آپﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ ' وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ' وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ))[۳]

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا' اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا' اور جس نے ریاکاری کے لیے صدقہ وخیرات کیا اس نے بھی شرک کیا''۔

اب دیکھیں نماز اگرچہ نیکی کا بہت بڑا کام اور ارکانِ اسلام میں سے رکن اعظم ہے' ایسے ہی روزہ اسلام کا عظیم رکن ہے اور صدقہ وخیرات بہت عظیم کارِ خیر ہیں' لیکن اس کے باوجود اگر یہ کام رضائے الٰہی کے بجائے ریاکاری' اپنی دین داری کا رعب گانٹھنے یا کسی اور مقصد کے لیے ہیں تو شرک کے زمرے میں آئیں گے —— اور شرک سے بڑا اور گھناؤنا گناہ اور کوئی نہیں ہے۔ سورۃ النساء میں دو مقامات پر فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (آیات ۴۸ و ۱۱۶) ''بے شک اللہ

(۲) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم ظلم المسلم و خذله......

(۳) مسند احمد' ح ۱۶۵۱۷۔

تعالیٰ اسے ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے‘ ہاں اس سے کم تر گناہ جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا‘‘۔

شرک دو طرح کا ہے۔ ایک شرکِ جلی ہے اور دوسرا شرکِ خفی۔ شرکِ جلی وہ ہے جو نظر آ رہا ہو کہ شرک ہو رہا ہے۔ مثلاً بُت یا کسی قبر کو سجدہ کیا جا رہا ہے‘ جبکہ شرکِ خفی دل میں ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نماز میں سجدہ کر رہے ہوں اور آپ کو یہ محسوس ہو کہ کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے تو آپ سجدہ ذرا لمبا کر دیں تو یہ شرکِ خفی ہے۔ اس کا تجزیہ آپ آسانی سے کر سکتے ہیں‘ مثلاً آپ پہلے پانچ سیکنڈ کا سجدہ کر رہے تھے اور اب دس سیکنڈ کا سجدہ کیا ہے تو یہ اضافی پانچ سیکنڈ کس کے لیے لگے ہیں؟ پانچ سیکنڈ تو اللہ کے لیے ہو گئے لیکن دوسرے پانچ کس کے لیے؟ گویا ایک سجدے کے دو مسجود ہو گئے۔ ایک مسجود اللہ کی ذات ہوئی اور ایک مسجود وہ لوگ ہوئے جنہیں دکھایا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تربیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جس حد تک باریک بینی آ گئی تھی اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک موقع پر عین حالتِ جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک شخص سے دوبدو مقابلہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کافر کو زیر کر لیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ اب اسے خنجر گھونپنے ہی والے تھے کہ اس نے نیچے پڑے ہوئے بھی آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ (جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے: *To add insult to injury*) حضرت علیؓ نے اس کی اس حرکت کے بعد اسے چھوڑ دیا اور فوراً اس کے سینے سے نیچے اتر آئے۔ وہ بہت حیران ہوا کہ انہوں نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے جبکہ میں نے ان کی توہین بھی کی ہے! اس کے استفسار پر حضرت علیؓ فرمانے لگے: دیکھو! میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے‘ میں تمہیں صرف اللہ کے لیے قتل کر رہا تھا‘ لیکن اب اگر میں تمہیں قتل کرتا جبکہ تم نے میری توہین کی ہے‘ تو میری نیت میں میرے نفس کا انتقام بھی شامل ہو جاتا۔ ذرا غور کیجیے کہ جنگ کا معاملہ ہو‘ جو جذبات کی انتہائی گرمی کا وقت ہوتا ہے‘ مرو یا مارو کی کیفیت ہوتی ہے‘ اس حالت میں بھی انسان کی نگاہ دل اور نیت پر ہو‘ یہ رسول اللہ ﷺ کی

تربیت کا ہی کمال تھا۔

یہ مضمون قرآن مجید میں بڑی حسین تمثیلوں کے پیرائے میں تین جگہ آیا ہے۔ ایک مقام سورۃ النور کا پانچواں رکوع ہے جو قرآن مجید کے بڑے اہم مقامات میں سے ہے جس میں حکمت کے بڑے بڑے موتی ہیں۔ یہاں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ پہلے مؤمن صادق کی مثال بیان ہوئی ہے اور اس کے ایمان کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے کہ اُس کا باطن نورِ ایمان سے منور ہوتا ہے اور ظاہر اعمالِ صالحہ سے مزین ہوتا ہے۔ مؤمن کے دل میں جو نورِ ایمان ہوتا ہے یہ دو نوروں کے امتزاج سے بنتا ہے' ایک نورِ فطرت اور دوسرا نورِ وحی۔ چنانچہ فرمایا گیا: ﴿نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ﴾ (النور: ۳۵) ''یہ روشنی پر روشنی ہے''۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّـنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ ''اے اللہ! ہمیں ان میں شامل فرما!'') پھر ایک دوسری مثال' جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے' ایسے شخص کی دی گئی جس میں ایمان تو نہیں ہے لیکن ظاہری طور پر کچھ نیک اعمال ہیں' مثلاً غریبوں' مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن' بعث بعد الموت کے وقت یاد آئے گا کہ میں نے تو بہت نیکیاں کی تھیں' ان کا کچھ تو اجر مجھے ملنا چاہیے۔ ایسے شخص کی تمثیل یوں بیان کی گئی: ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُـھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءًط﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا (جنہوں نے اللہ اور آخرت کو نہیں مانا) ان کے اعمال (ان کی نیکیاں) سراب کی مانند ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے''۔ جیسے کہ صحرا میں دور سے پانی نظر آتا ہے' حالانکہ پانی نہیں ہوتا۔ اب پیاسا آدمی دوڑتا ہوا اُس کی طرف جا رہا ہے یہاں تک کہ تھک جاتا ہے' اب بھاگا نہیں جاتا تو گھسٹتا ہوا جا رہا ہے۔ ﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا﴾ (النور: ۳۹) ''یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا''۔ ﴿وَوَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗط وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ (النور) ''اور وہ وہاں اللہ کو پائے گا جو اسے اس کا حساب پورا پورا عطا کرے گا۔ اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی''۔ تمہارے اعمال میں نیت غلط تھی' لہٰذا تمہاری نیکیاں سراب کی مانند ہیں۔ انسان اپنے آپ کو سہارا دیتا ہے کہ وہ بڑے نیک اعمال کر رہا ہے' لیکن اگر اس

میں خلوصِ نیت نہیں ہے‘ یعنی اللہ کی رضا اور آخرت کی جزا پیش نظر نہیں ہے تو وہ کوئی نیکی نہیں ہے۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جن کے دل میں تاریکی ہی تاریکی ہے اور عمل میں کوئی جھوٹ موٹ کی نیکی کی روشنی بھی نہیں‘ یہ خالص نفس پرست اور خالص مفاد پرست لوگ ہیں۔ ان کے متعلق کہا گیا ہے: ﴿اَوۡ کَظُلُمٰتٍ فِیۡ بَحۡرٍ لُّجِّیٍّ یَّغۡشٰہُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُہَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ﴾ (آیت ۴۰) ’’یا پھر (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا‘ کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے‘ اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل۔ تاریکی پر تاریکی مسلط ہے‘‘۔

دوسرا مقام سورۂ ابراہیم کی آیت ۱۸ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ اَعۡمَالُہُمۡ کَرَمَادِ ۣ اشۡتَدَّتۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ ﴿۱۸﴾﴾

’’جن لوگوں نے اپنے ربّ سے کفر کیا ہے ان کے اعمال (جو ظاہر میں نیکیاں نظر آتی ہیں) کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے (اس کا کچھ بھی پھل نہ پائیں گے)۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے‘‘۔

یہ نیکیاں اس لیے قابل قبول نہیں کہ یہ ایمان کے محرک سے خالی‘ محض دکھلاوے کی نیکیاں ہیں۔

اس سلسلے کا آخری مقام سورۃ الفرقان کی آیت ۲۳ ہے جس میں ایک عجیب نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ﴿۲۳﴾﴾ ’’پھر ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کیے تھے اور انہیں بنا ڈالا اڑتی ہوئی خاک‘‘۔ یہاں کفار کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے خیال میں بڑے بڑے اعمال کیے ہوئے تھے‘ غریبوں کو کھانے کھلائے تھے۔ جیسا کہ ابوجہل نے کہا تھا جب اس سے پوچھا گیا تھا کہ کیا تمہارے خیال میں محمد (ﷺ) جھوٹ بول رہے ہیں جو یہ دعویٰ کر

رہے ہیں کہ اُن کے پاس وحی آتی ہے‘ وہ اللہ کے نبی ہیں؟ اس نے جواب میں کہا کہ آپ (ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پوچھا گیا تو پھر مانتے کیوں نہیں ہو؟ اس نے کہا: ہمارے اور بنو ہاشم کے مابین ایک مسابقت اور مقابلہ چل رہا تھا‘ انہوں نے غریبوں کو کھانے کھلائے تو ہم نے ان سے بڑھ کر کھلائے۔ انہوں نے حاجیوں کی خدمت کی تو ہم نے ان سے بڑھ کر خدمت کی۔ تو ابھی تک ہم ان کے کندھے سے کندھا ملا کر آ رہے ہیں۔ اب اگر ہم بنو ہاشم کے ایک فرد محمد (ﷺ) کی نبوت مان لیں تو ہم تو ہمیشہ کے لیے غلام ہو جائیں گے! یہ ہمیں گوارا نہیں ہے۔ دیکھئے اِن کفار کے اندر بھی نیکی کا ایک تصور اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا جذبہ پایا جاتا ہے‘ تا کہ زیادہ شہرت ہو جائے‘ زیادہ تعریف ہو‘ ان کی سخاوت کے زیادہ ڈنکے بجیں۔ مذکورہ بالا آیت میں ’’مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ‘‘ میں جو نکرہ کا استعمال ہوا ہے تو یہ تفخیم کے لیے ہے۔ یعنی ہم آگے بڑھ کر اُن کے بڑے بڑے اعمال کو گرد و غبار میں ملا دیں گے۔ بات سمجھانے کے لیے بلاتشبیہہ عرض کر رہا ہوں کہ جیسے ایک فٹ بال کھیلنے والا دوڑ کر آتا ہے‘ پھر بال کو ہٹ لگاتا ہے‘ اسی طریقے سے ﴿قَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ﴾ ’’ہم ان کے اعمال کی طرف بڑھیں گے‘‘ ﴿فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ ’’تو ہم اسے کر دیں گے گرد و غبار پھیلا ہوا‘‘۔ گویا وہ اعمال کیا تھے‘ محض گرد و غبار اور راکھ تھی جو منتشر ہو گئی۔

دیکھئے کس قدر خوبصورت تمثیلیں بیان ہوئی ہیں۔ یہ فصاحت و بلاغت کی معراج ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: ’’کَلَامُ الْمُلوکِ مُلوکُ الْکَلَامِ‘‘ بادشاہوں کا کلام‘ کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ تینوں تمثیلیں ریاکارانہ نیکی کے لیے بیان ہوئی ہیں۔ ان سب کے لیے سادہ ترین تشریح‘ تفسیر اور تبیین رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ......)) ہے۔ اور میں آپ کے سامنے یہی بات پیش کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن اور حدیث کا باہمی رشتہ کیا ہے۔

ہماری آج کی اس گفتگو سے ایک اور اہم مسئلہ بھی حل ہو رہا ہے۔ ہمارے نوجوان پوچھتے ہیں کہ کفار جو اتنے بڑے بڑے نیکی کے کام کرتے ہیں تو کیا انہیں کوئی اجر و ثواب

نہیں ملے گا؟ جیسے ہندو پُن (کارِ خیر) کے کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر گنگا رام ایک ہندو تھا' اس نے بہت بڑا ہسپتال بنایا۔ یا جیسے یورپ اور امریکہ میں رہنے والے انگریز اور عیسائی فلاح و بہبود کے بڑے بڑے ادارے قائم کرتے ہیں' اور نیکی کے بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ تو کیا اللہ کے ہاں ایسے لوگوں کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی؟ دیکھئے یہ لوگ اللہ' اس کے رسول اور آخرت کو نہیں مانتے تو پھر لازماً کوئی اور محرک ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ نیکی کے کام کرتے ہیں۔ اس کے ذریعے لازماً کوئی ریاکاری' شہرت یا سرکار دربار میں رسائی وغیرہ مقصود ہوگی۔ کوئی نہ کوئی نیت تو ہوگی' کیونکہ کوئی عمل نیت اور مقصد کے بغیر نہیں ہوتا۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص رسول کو نہیں مانتا لیکن اللہ اور آخرت کو مانتا ہے' لہٰذا اس کے اعمال قابل قبول ہونے چاہئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص رسول کو کیوں نہیں مانتا؟ ایک ایسے شخص کا معاملہ تو علیحدہ ہے جس تک رسول کی دعوت نہیں پہنچی۔ ایسا شخص اگر توحید پر قائم ہو اور آخرت کو مانتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال قبول ہو سکتے ہیں' کیونکہ رسالت کا پیغام اس تک پہنچا ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آپؐ کا پیغام تو صرف عرب کی حدود تک پہنچا تھا' یا آپ ﷺ نے جو خطوط لکھے تو وہ صرف بادشاہوں کو لکھے تھے' عوام تک تو نہیں گئے تھے۔ یا پھر جن علاقوں کو مسلمانوں نے فتح کیا تو وہاں کے لوگوں نے اسلام کو سمجھا' اسلام کو دیکھا' مسلمانوں کو دیکھا اور اسلام کی برکات کو دیکھا' لیکن جہاں مسلمان نہیں گئے وہاں اسلام کی تعلیمات نہیں پہنچیں۔ مثلاً چین میں رہنے والوں تک تو یہ پیغام نہیں پہنچا تھا' لہٰذا وہ مستثنیٰ ہوں گے' ان سے توحید پر معاملہ ہوگا۔

البتہ جن لوگوں تک رسالت کا پیغام پہنچ گیا' یہاں تک کہ اتنی بات بھی پہنچ گئی کہ محمد (ﷺ) نام کے ایک شخص گزرے ہیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' تو وہ شخص تحقیق کر کے رسالت پر ایمان کا مکلّف ٹھہرے گا۔ اور اگر وہ کوئی حق پرست ہوگا تو لازماً تحقیق کرے گا' بیٹھا نہیں رہے گا۔ اگر وہ حق کا طلب گار اور جویا ہے تو اس صورت میں

لازماً اللہ اسے منزل تک پہنچا دے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:٦٩) ''اور جن لوگوں نے ہمارے راستے میں جدوجہد کی ہم انہیں لازماً اپنے (ہدایت کے) راستے دکھائیں گے''۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تلاشِ حق میں کتنی محنت اور جدوجہد کی ہے۔ مجھے تو بسا اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہر لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک شبیہہ (Replica) ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس میں پیدا ہوئے' باپ آتش کدے کا پجاری یا ذمہ دار تھا۔ ان کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ کیا تماشا ہے کہ آگ ہم خود جلائیں' ایندھن ہم ڈالیں تو آگ جلے' پھر اسی آگ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں! آپ نے بغاوت کی کہ میں ایک اللہ کو مانوں گا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا اور کہا تھا: ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝﴾ (مریم) ''اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور مجھ سے ایک مدت کے لیے دُور ہو جاؤ''۔ ایسے ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر ''اُر'' میں پیدا ہوئے۔ جیسے انہوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی ایسے ہی حضرت سلمان فارسیؓ نے ایران سے عراق کی طرف ہجرت کی۔ عراق سے متصل شام ہے اور ایران سے متصل عراق ہے۔ وہاں جا کر انہوں نے عیسائیت اختیار کر لی۔ اس لیے کہ اُس وقت تک عیسائیت ہی ''اسلام'' تھا' کیونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی تک بعثت نہیں ہوئی تھی۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی حضرت مسیح علیہ السلام ہی کا دَورِ نبوت و رسالت جاری رہا۔ لہٰذا وہ عیسائی ہو گئے۔ اب وہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے عیسائی راہبین کے پاس گئے۔ پہلے ایک کے پاس آئے اور تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ اس کے انتقال کا وقت آیا تو فرمایا کہ میری تو ابھی تسلی اور اطمینان نہیں ہوا' میری طلب علم کی سیری ابھی نہیں ہوئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اچھا اب فلاں راہب کے پاس چلے جاؤ۔ وہاں پہنچ گئے' وہاں زیر تعلیم و تربیت رہے۔ اس کی بھی رحلت کا وقت آ گیا تو آپؓ نے اس سے بھی یہی کہا کہ میرے

علم کی تشنگی ابھی باقی ہے۔تب اس نے کہا کہ میرا علم مجھے بتا رہا ہے کہ جنوب کی طرف کھجوروں کی سرزمین میں نبیؐ آخرالزمان (ﷺ) کا ظہور ہونے والا ہے۔

عیسائیوں میں رسول اللہ ﷺ کے دَور میں بڑے حق پرست اور حق کا علم رکھنے والے لوگ موجود تھے۔وہ سائمن (شمعون) کے پیروکار تھے اور موحدین تھے، جبکہ آج کی عیسائیت گمراہ ہوچکی ہے۔آج کی عیسائیت پال ازم ہے۔یہ سب سینٹ پال کے پیروکار ہیں، جس نے تثلیث ایجاد کی اور شریعت موسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ساقط کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار موجود تھے۔آپ جانتے ہیں کہ بحیرہ راہب نے آنحضور ﷺ کو بچپن میں پہچان لیا تھا جب آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک قافلے کے ساتھ گئے۔اس راہب نے آپؐ کو پہچان کر ابوطالب سے کہا تھا کہ اس کی حفاظت کرنا، کہیں یہودی ان کو پہچان کر قتل نہ کر دیں۔ ایسے ہی ایک عیسائی راہب نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ جاؤ! میرا علم بتارہا ہے کہ نبیؐ آخرالزماں (ﷺ) کا ظہور اب قریب ہے اور وہ ہوگا جنوب کی طرف کھجوروں کی سرزمین میں۔حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے رخت سفر باندھا اور ایک قافلے میں شریک ہوگئے جو مدینہ منورہ کی طرف جارہا تھا۔راستے میں ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹ لیا اور ان کو گرفتار کر کے غلام بنا کر بیچ دیا۔ مدینہ منورہ کے ایک یہودی نے انہیں خریدا۔ چنانچہ یوں آپؓ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔یہ طلبِ صادق کا نتیجہ ہے۔اب آگے مکہ مکرمہ نہیں جا سکتے، لیکن آپؓ سن رہے ہیں کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لیکن جائیں کیسے! پاؤں میں غلامی کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر خود تشریف لے آئے۔گویا یہاں کنواں چل کر پیاسے کے پاس آ گیا۔ اب آپؓ اپنے مالک سے کچھ کھجوریں حاصل کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آپ کے لیے صدقہ لایا ہوں۔آپؐ نے فرمایا: ''میں صدقہ نہیں لیتا، یہ غریبوں کا حق ہے''۔یہ بات اس راہب نے آپؓ کو بتائی تھی کہ یہ ان کی نشانی ہوگی کہ صدقہ قبول نہیں کریں گے،

ہدیہ قبول کرلیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت سلمانؓ دوبارہ کھجوریں لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ہدیہ ہے۔ آپؐ نے ہدیہ قبول کرلیا۔ اب آپؓ ایمان لے آئے۔

غور فرمائیں کہ ایک انسان میں اگر طلب حق ہے تو وہ اس کے لیے کیا کیا مشقتیں جھیلتا ہے! لہٰذا اگر کسی شخص تک محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچ چکے اور پھر وہ ایمان نہ لائے تو یا تو وہ عصبیت جاہلی کے اندر اور اپنے زعم میں مبتلا ہے یا اس کے اندر طلب صادق اور طلب حق موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال میں خلوص اور اخلاص کی روح پھونکے اور ہر عمل میں اپنی رضا اور آخرت کی فلاح پیش نظر رکھنے کی توفیق بخشے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

(ترتیب وتسوید: حافظ محمد مشتاق ربانی۔ طارق اسماعیل ملک)

پاکستان تباہی کے کنارے پر

انجینئر نوید احمد☆

وطنِ عزیز پاکستان اِس وقت انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے' جس کے مظاہر یہ ہیں:

(۱) پاکستان کے دشمن اِس کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہیں۔ سورۃ الرعد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا مِنۡ اَطۡرَافِہَا ؕ وَ اللّٰہُ یَحۡکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکۡمِہٖ ؕ وَ ہُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾﴾

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں کی طرف سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں' اور اللہ (جیسا چاہتا ہے) فیصلہ فرماتا ہے' کوئی اُس کا حکم ٹالنے والا نہیں' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے''۔

یہ آیت اصلاً تو اہلِ مکہ کو خبردار کرنے کے لیے نازل ہوئی' لیکن آج ہم اہلِ پاکستان پر بھی اِس کا اطلاق محسوس ہو رہا ہے۔ ہماری مشرقی سرحد پر بھارت' پاکستان کے عدم استحکام سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ ۱۲ نومبر ۲۰۰۷ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ بھارت کی سکیورٹی فورسز کو پڑوسی ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے کسی بھی وقت کارروائی کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ ہماری مغربی سرحد پر افغانستان میں موجود نیٹو افواج پاکستان کے اندر داخل ہو کر کارروائی کرنے کی دھمکیاں دیتی رہتی ہیں۔ بھارت کے جلال آباد اور قندھار میں قونصل خانے پاکستان کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی اور حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ بلوچستان اور سرحد میں اُن کی تخریبی کارروائیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ سوات میں اِن پاکستان دشمن عناصر کی کارروائیوں کے ثبوت بھی ملے ہیں۔ سانحۂ لیاقت باغ کے بعد فسادات میں سندھ کی صورتِ حال انتہائی تشویشناک نظر آئی۔ اِس صوبے میں بھارتی ایجنٹوں کا نیٹ ورک انتہائی فعال محسوس ہوا۔ اُنہوں نے محض تین گھنٹوں میں

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

سندھ کا پنجاب سے رابطہ منقطع کرنے کی منظّم اور کامیاب مشق کی۔ ریلوے تنصیبات اور سگنل سسٹم کو نقصان پہنچایا گیا، اہم شاہراہوں پر خاص انداز سے ٹرالر کھڑے کر کے اور اُنہیں جلا کر رکاوٹیں قائم کی گئیں اور ٹیلی فون ایکسچینجز کو بالخصوص نشانہ بنانا گیا۔ روز نامہ اُمت کراچی نے اِس حوالے سے اپنی ۸ جنوری ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں چشم کشا انکشافات کیے۔ روز نامہ جنگ کراچی نے اپنی ۹ جنوری کی اشاعت میں ہالا کے قریب آباد ہندو قبائل باگڑی، بھیل، جنڈاوزے، اوڈ، شیخ اور کولہی کی تخریبی سرگرمیوں کا ذکر کیا۔

(۲) ہمارے ایٹمی اثاثہ جات کے حوالے سے امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کے خطرناک عزائم اب تسلسل کے ساتھ سامنے آ رہے ہیں۔ امریکہ کے صدارتی امیدوار، عالمی ایٹمی ایجنسی کے سربراہ البرادی اور جرمنی کی چانسلر، ایٹمی ہتھیاروں کے انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں جانے کے خدشات ظاہر کر چکے ہیں۔ یہ بات بھی میڈیا میں آ چکی ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کو اپنی تحویل میں لینے اور اُنہیں نیومیکسیکو منتقل کرنے کی مشق امریکی فورسز کر چکی ہیں۔ امریکہ اور اُس کے اتحادی پاکستان میں عدم استحکام کی صورتِ حال پیدا کر کے اِسے مزید تقویت دینے کے منصوبے بنا رہے ہیں تاکہ ملک میں کسی فوجی مداخلت کے لیے جواز پیدا کیا جا سکے۔

(۳) صوبہ سرحد، بلوچستان اور لال مسجد میں اپنے ہی لوگوں کے خلاف آپریشن کر کے اور طاقت کے استعمال سے ہم نے صورتِ حال کو انتہائی مخدوش کر لیا ہے۔ طاقت کے استعمال سے کبھی مسئلے حل نہیں ہوتے۔ مشرقی پاکستان، عراق اور افغانستان میں طاقت کے استعمال نے حالات کو مزید بگاڑ دیا۔ آج ردِّ عمل کے طور پر پاک فوج اور پولیس پر سرحد اور پنجاب میں خودکش حملے معمول بنتے جا رہے ہیں۔

(۴) اِس سال انتخابات کے نتیجے میں بھی ایک انتشار کی کیفیت نظر آ رہی ہے۔ منصفانہ انتخابات ہونے کی صورت میں اسمبلی میں صدر مشرف کے حامیوں کا اکثریت حاصل کرنا محال دکھائی دیتا ہے۔ اِس صورت میں اسمبلی اور مشرف کے درمیان ایک تناؤ کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اگر مشرف حکومت انتخابات میں اپنے ہم نوا امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لیے دھاندلی کرتی ہے تو پھر اپوزیشن کی طرف سے احتجاجی تحریک کا اندیشہ ہے، جو ملک کی سالمیت اور یکجہتی کو مزید شکستہ کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔

(۵) عام ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے حوالے سے ملک کو پے بہ پے بحرانوں کا سامنا ہے۔ آٹا، بجلی، گیس، تیل اور اسٹیل سے متعلق بحران شدت کے ساتھ ظاہر ہو چکے ہیں۔ بجلی اور گیس کی کمی سے صنعتی پیش رفت بری طرح سے متأثر ہوئی ہے۔ اِس کے مضر اثرات مستقبل میں سامنے آنے کا اندیشہ ہے۔

(٦) سانحۂ لیاقت باغ کے بعد پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے فسادات رونما ہوئے، جن میں اربوں روپے کا نہ صرف نقصان ہوا بلکہ لوٹ مار اور آتشزنی کی صورت میں دشمن کے ایجنٹوں کے ساتھ ساتھ ہمارے اپنے لوگوں کا بھی انسانیت سوز غیر اخلاقی طرزِ عمل سامنے آیا۔ اخلاقی قدروں کی یہ گراوٹ بلاشبہ کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پاکستان تباہی کے اس کنارے پر اچانک نہیں پہنچا بلکہ رفتہ رفتہ پاتال میں گرتا چلا گیا ہے۔ بانیٔ تنظیمِ اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایک مدت سے عوام اور حکومت کو تباہی و بربادی کے خدشات سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور دین سے پہلوتہی کے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی اور اِس کی اصلاح کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

بانیٔ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تنبیہات

۱۹۸۲ء میں جنرل ضیاء الحق کو لکھے گئے خط میں محترم ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا:

”............ اِس ضمن میں اغلباً آپ کے اطمینان کے باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک تا حال نہ چل سکی ہے، نہ ہی اِس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے .... اِس سلسلہ میں، میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اِس صورت حال میں دھوکا نہ کھایئے۔ اِس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبّ وطن بالخصوص دینی و مذہبی مزاج کے لوگ کوئی ’risk‘ لینے کو تیار نہیں ہیں ...... لیکن ایک تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رونما ہو سکتی ہے اور دوسرے ملک کے بقا و استحکام کے لیے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے، لیکن اصل اہمیت اِس ملک کے اپنے عوام کے اطمینان کی ہوتی ہے۔ اِس سلسلہ میں بالخصوص اندرونِ صوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہوگا۔ لیکن میں اِس امکان کو بھی یکسر نظر انداز

نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے ارد گرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اُسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔ میرے اندازے سے سندھ میں ''سندھو دیش'' کے لیے میدان پوری طرح اُسی طرح استوار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں ''بنگلہ دیش'' کے لیے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دور اور کٹا ہوا تھا' اِس لیے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے' لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو آسانی کچلا جا سکتا ہے' لیکن میرے نزدیک اِس عامل (factor) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے......''۔(استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ' ص ۷۵۔۷۶)

۱۹۸۵ء میں جب پاکستان کے قیام کے قمری اعتبار سے چالیس برس مکمل ہوئے تو محترم ڈاکٹر صاحب نے استحکامِ پاکستان کے موضوع پر کئی تقاریر کیں اور بعدازاں اِنہیں تحریری طور پر بھی قلمبند کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا:

''یہ بات ہر اُس شخص کے لیے اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے جو کسی بھی وجہ سے پاکستان کے بقاء واستحکام کا طالب اور خواہشمند ہو۔ اِس لیے کہ اگر کوئی بدبخت کسی سبب سے اپنے ذہن وقلب سے پاکستان کو بالفعل 'محو'(write-off) کر ہی چکا ہے تو بات دوسری ہے' اُس کے لیے تو ہماری یہ پوری بحث ہی غیر متعلق بھی ہے اور لایعنی بھی' لیکن جو شخص بھی دل سے پاکستان کی بقاء واستحکام چاہتا ہو اُس کے لیے ان شاء اللہ العزیز ہمارا یہ تجزیہ فیصلہ کن ثابت ہوگا اور وہ اِس حقیقت کو جان لے گا کہ اگرچہ عوام کی فلاح و بہبود' انتظامی مشینری کی اصلاح وتطہیر اور مختلف علاقوں کے رہنے والوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والوں کا اعتماد واطمینان بھی نہایت اہم امور ہیں اور اُن کے بغیر بھی یقیناً پاکستان مستحکم نہیں ہو سکتا' اور خاص طور پر موجودہ حالت میں تو اِن کی اہمیت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی ہے اور اِن اُمورِ ثلاثہ کے ضمن میں جو شدید کوتاہی مسلسل ہو رہی ہے اگر جلد از جلد اُس کی تلافی کی صورت پیدا نہ ہوئی تو شدید اندیشہ ہے کہ یہ بچا کھچا پاکستان بھی ع ''تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!'' کا مصداق بن جائے۔ تاہم پاکستان کے دوام واستحکام کی اصل اساس یہ چیزیں نہیں بلکہ صرف اور صرف اسلامی جذبہ ہے' اور اگر وہ جذبہ بھرپور انداز میں بروئے کار نہ آیا تو باقی تمام چیزوں کی اصلاح کے باوجود پاکستان یا تو اپنی سالمیت ہی کو برقرار نہیں رکھ سکے گا اور

اِس کے حصے بخرے ہو جائیں گے یا اگر باقی رہے گا بھی تو کسی دوسری بڑی طاقت کا طفیلی یا زیردست ہو کر!'' (استحکامِ پاکستان' بارِ ہفتم' ص ۸۹'۹۰)

''اِس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے نہ 'تاریخی تقدس' کا عامل موجود ہے نہ ہی 'جغرافیائی عوامل' اِس کے پشت پناہ ہیں' پھر کوئی نسلی' لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اِس کے استحکام کے لیے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکے............ لہٰذا اِس کے استحکام کا کل دارومدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اِسے جنم دیا تھا...... یعنی 'مذہبی جذبہ'۔!! گویا پاکستان کا معاملہ بالکل ع ''کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو!'' والا ہے کہ اگر اِسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیردست بن کر نہیں بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خودمختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اِس کے لیے کوئی اور چارہ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ اسلام کا دامن تھامے اور اُسی کا سہارا لے''۔

(استحکام پاکستان' بارِ ہفتم' ص ۸۸'۸۹)

۱۹۸۷ء میں ''استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ'' کے موضوع پر تصنیف کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا:

''۹۳ھ بمطابق ۱۲ء۷ میں اسلام بیک وقت برعظیم ہند میں براستہ سندھ اور براعظم یورپ میں براستہ سپین داخل ہوا تھا—— اور سپین سے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہوئے پانچ سو برس ہو چکے ہیں! کیا اب وہی تاریخ سندھ میں بھی دہرائی جانے والی ہے؟

آگ ہے' اولادِ ابراہیم ہے' نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے ؟''

فَاعۡتَبِرُوۡا یَا اُولِی الۡاَبۡصَارِ!''

(استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ)

ڈاکٹر صاحب اِس تصنیف میں مزید لکھتے ہیں:

''رہا صوبہ سندھ تو اُس کا معاملہ راقم کے نزدیک دوسرے تمام صوبوں سے علیحدہ اور منفرد نوعیت کا حامل بھی ہے............ اور اِس کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ نازک اور پیچیدہ بھی ہے اور پاکستان کے مستقبل کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر اہم اور فیصلہ کن بھی!...... چنانچہ راقم کے اندازے کے مطابق آئندہ چند سال کے دوران میں نہ

صرف یہ کہ پاکستان کی قسمت اوراس کے ضمن میں ''!to be or not to be''
کا فیصلہ سرزمین سندھ میں ہوگا' بلکہ خودسندھ کی سعادت وشقاوت کا آخری فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ آیا برعظیم پاک وہند کا یہ اوّلین 'باب الاسلام' جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں صنم خانۂ ہند میں توحید ربّانی اور حرّیت و اخوت و مساواتِ انسانی کے انقلاب آفریں پیغام کا 'مدخل' (یعنی داخل ہونے کی جگہ) بنا تھا' پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلام کا 'مخرج' (یعنی نکلنے کی جگہ یا 'Exit) بلکہ 'مدفن' بنتا ہے اوراس طرح چودہ سوسال بعد راجہ داہر کی صُلبی و معنوی اولاد ابوالقاسم محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی ذریّت اور محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا نام ادب واحترام اور فخر وامتنان کے ساتھ لینے والوں سے بھرپور انتقام لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے یا یہ قطعۂ ارضی' جس کی آغوش میں نہ صرف یہ کہ عام روایت کے مطابق بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ محوِ استراحت ہیں' بلکہ عصر حاضر کے عظیم محقق وسکالر ڈاکٹر حمید اللہ بالقابہ کی تحقیق کے مطابق جسے خود نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تھا' اوّلاً پاکستان' پھر برعظیم پاک وہند اور بالآخر پورے عالم اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے نقطۂ آغاز کی صورت اختیار کرتا ہے! بفحوائے الفاظِ قرآنی: ''فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝'' (القلم) ''عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون بھٹک گیا تھا'' اور بقول اقبال: ؎

دیکھیے اِس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبدِ نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا!''

(استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ' ص۲۲'۲۳)

۲۰۰۴ء میں محترم ڈاکٹر اسرار صاحب نے ''کیا پاکستان کے خاتمہ کی الٹی گنتی شروع ہوگئی ہے؟'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ بعد ازاں اِس خطاب کو تحریری صورت میں ''پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ اس تحریر میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''بات سمجھ لیجئے! کسی مملکت یا سلطنت کے ختم ہونے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ زمین ختم ہو جائے' وہ سرزمین آسمان میں چلی جائے یا پاتال میں دھنس جائے' بلکہ سلطنتوں یا مملکتوں کے خاتمے کی دو شکلیں ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ balkanization ہو جائے‘ اُس کے حصے بخرے ہو جائیں اور سابق نام باقی نہ رہے۔ یعنی پھر دنیا کے نقشہ پر اُس نام سے کوئی خطہ نہ ہو۔ اور یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ پچھلی یعنی بیسویں صدی عیسوی اِس اعتبار سے بے مثال ہے کہ اس کے آغاز میں ایک عظیم سلطنت عثمانیہ ختم ہوئی‘ اُس کے حصے بخرے ہوئے‘ ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور سلطنت عثمانیہ کا نام دنیا میں ختم ہو گیا۔ اب نقشے میں آپ کو سلطنت عثمانیہ کا نام لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا‘ حالانکہ وہ Great Ottoman Empire تھی جو Great Roman Empire کی طرح تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پورا شمالی افریقہ‘ پورا مغربی ایشیا اور پورا مشرقی یورپ اُس میں شامل تھا۔ لیکن اِس عظیم سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہوئے‘ لے دے کے ترکوں کے پاس ترکی نام کا ایک چھوٹا سا ملک رہ گیا۔ اِس سلطنت کا نام ختم ہو گیا۔ اب آپ کو ڈھونڈے سے بھی پتہ نہیں چلے گا کہ وہ سلطنتِ عثمانیہ کہاں ہوتی تھی۔ اور یہ معاملہ ہوا ہے پچھلی صدی کے آغاز کے بیس سال کے اندر اندر‘ تقریباً دوسری دہائی کے خاتمے پر۔ اِس کے برعکس صدی کی آخری دہائی میں ۱۹۹۰ء کے قریب USSR ختم ہوئی‘ جو دنیا کی ایک سپر پاور تھی۔ آج دنیا کے نقشے پر USSR نام لکھا ہوا کہیں نہیں آتا۔ یہ تو کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے‘ ابھی کُل پندرہ سولہ برس ہوئے ہیں۔ اِسی طرح سے پاکستان کا بھی امکان ہے کہ یہ صورت حال پیش آ جائے۔

مملکتوں کے ختم ہونے کی ایک دوسری شکل بھی ہے۔ وہ یہ کہ لکیر بھی برقرار رہے‘ نام بھی برقرار رہے‘ لیکن اس کی کوئی خود مختاری نہ ہو‘ اس کے اندر کوئی self determination نہ ہو‘ اُس میں اپنے اصولوں کے دفاع میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ ہو اور وہ کسی دوسری بڑی سلطنت و مملکت کے تابع مہمل کی شکل اختیار کر لے‘ یا یوں کہیے کہ سٹیلائٹ یعنی طفیلی ملک بن جائے۔ یہ دوسری شکل ہے‘ اور پاکستان کے مستقبل کے لیے یہ زیادہ امکان بھی ہے کہ پاکستان بھارت کا سٹیلائٹ بن کر رہ جائے اور بھارت چاہے تو ان لکیروں کو قائم رکھے‘ چاہے تو حصے بخرے کر دے۔ غالباً اس کی مصلحت اِسی میں رہے گی کہ زیادہ سر درد مول نہ لے‘ مختلف صوبے ہوں گے تو اُن میں سے ہر ایک سے الگ الگ نپٹنا پڑے گا‘ اس کے حق میں بہتر یہ ہو گا کہ پاکستان ایک سٹیٹ کی حیثیت سے یکجا رہے اور اس کی حقیقت بس نیپال سے کوئی دس

گنا بڑے ملک کی ہو لیکن اُس کی حیثیت نیپال سے زیادہ نہ ہو''۔

(پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات' ص ۱۱' ۱۲)

''...... اس وقت ایٹمی پروگرام کی بھی جو صورت بن چکی ہے نہایت مخدوش ہے۔ ہمارے خلاف بھرپور مقدمہ تیار ہو چکا ہے کہ دنیا میں جو بھی ایٹمی پھیلاؤ ہوا ہے پاکستان اُس کا مرکز ہے۔ اور ہم نے اپنے ٹیلی ویژن پر اپنے سب سے بڑے ایٹمی سائنس دان سے اقرار کروا کر یہ الزام تسلیم بھی کر لیا ہے۔ اِس کے علاوہ ایران اور لیبیا نے بھی ہمارے خلاف چغلی کھائی ہے۔ تو اب ہمارے خلاف مقدمہ تیار ہے۔ اور اُن کے پاس اِس وقت سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ پاکستان میں اِس بات کا خطرہ موجود ہے کہ مولوی برسر اقتدار آ جائیں۔ متحدہ مجلس عمل کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور بڑی بڑی داڑھیوں اور پگڑیوں والے حضرات کی معتد بہ تعداد پاکستان کی پارلیمنٹ میں پہنچ چکی ہے' جبکہ اِس سے پہلے صرف دو تین ہوا کرتے تھے' تو اس سے انہیں خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ کسی مرحلے پر بھی حکومت غیر مستحکم ہو کر اُن کے پاس جا سکتی ہے۔ مشرف کو مارنے کی دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ کوشش کی جا چکی ہے' لہٰذا اُن کو یہ اندیشہ ہے کہ یہ ایٹمی ہتھیار بنیاد پرستوں (اُن کے بقول دہشت گردوں) کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ اپنا ایٹمی پروگرام یا تو ہمارے حوالے کر دو یا ہمارا کنٹرول قبول کرو' تا کہ ہم کسی بھی وقت آ کر معائنہ کر سکیں کہ تم کوئی قابل اعتراض حرکت تو نہیں کر رہے ہو۔ اور اب یہ مطالبہ آئے گا کہ اِس کو رول بیک کرو' کیپ کرو' ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو افغانستان و عراق کا ہو چکا ہے''۔

(پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات' صفحہ ۳۳' ۳۴)

حالات کی خرابی کی وجہ اور حکمت

ملک و ملت سے خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ہم حالات کی نزاکت کا احساس کریں' خرابی کا اصل سبب سمجھیں اور پھر اصلاحِ احوال کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ بصورتِ دیگر ؎

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ''پاکستاں'' والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں!

سورۃ الروم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ

الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾

''فساد پھیل گیا ہے خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے' تا کہ اللہ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے' شاید کہ وہ باز آ جائیں''۔

اِس آیت کی روشنی میں حالات کی خرابی کی وجہ لوگوں کے سیاہ اعمال ہوتے ہیں اور اعمال کی سزا دینے کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ شاید لوگ اپنے کیے پر نادم ہوں اور بداعمالیوں سے باز آ جائیں۔ ہمارے سیاہ اعمال کی فہرست بہت طویل ہے۔ ہم نے اسلام کے نام پر پاکستان بنایا' لیکن قیامِ پاکستان سے لے کر موجودہ دور تک مسلسل خلافِ اسلام اقدامات کر کے اللہ کو ناراض کیا۔ البتہ مشرف صاحب کے اقتدار میں آنے کے بعد ہمارے جرائم کچھ زیادہ ہی بڑھ گئے جس کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔ اِن جرائم کی تفصیل کچھ یوں ہے:

مشرف حکومت کے جرائم

(۱) نظریۂ پاکستان سے انحراف

پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد ہم نے دوقومی نظریہ کی نفی کرتے ہوئے نعرہ ایجاد کیا ''سب سے پہلے پاکستان''۔ گویا اصل اہمیت جغرافیائی حدود کی ہے نہ کہ نظریہ کی' ایک خطۂ ارضی کی ہے نہ کہ اسلام یا مسلمانوں کی۔ بالفاظِ دیگر ہم نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر اسلام پر وطن کو ترجیح دے دی۔

(۲) سودی معیشت کا تحفظ

۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو وفاقی شرعی عدالت کے اُس فیصلہ کو کالعدم قرار دے دیا گیا جس میں بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دے کر ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اِس ناپاک جسارت سے تیس سال کی اُن محنتوں پر پانی پھیر دیا گیا جو ملکی معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کے لیے کی جا رہی تھیں۔

(۳) حدود آرڈیننس کی تنسیخ

دسمبر ۲۰۰۶ء میں حدود آرڈیننس کو منسوخ کر دیا گیا اور متبادل آرڈیننس کو ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' کا نام دے کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی گئی۔

(۴) جہاد کے تصور کی نفی

اا ستمبر ۲۰۰۱ء سے پہلے ہمارا موقف تھا کہ کشمیر میں جاری تحریک' جہادِ حریت ہے دہشت گردی نہیں ۔ مجاہدین کو ہماری طرف سے ہر طرح کی حمایت حاصل تھی ۔ اا ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد ہم نے جہادِ حریت کو دہشت گردی کہنا شروع کر دیا۔ جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر کی اصطلاحات کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ جہادِ اکبر اصل میں غربت اور ناخواندگی کے خلاف جہاد ہے اور اب صرف اِسی کی ضرورت ہے۔

(۵) افغانستان کی اسلامی حکومت سے بے وفائی

افغانستان میں طالبان کی حکومت دنیا بھر کی تمام اسلامی تحریکوں کے لیے روشنی کی کرن اور امیدوں کا مرکز تھی ۔ ہم نے اِس حکومت کو تسلیم کیا اور اِس کی ہر ممکن مدد بھی کر رہے تھے ۔ لیکن صدر بش کے ایک فون پر ہم نے غیر مشروط طور پر طالبان کے خلاف امریکہ کا اتحادی بننا قبول کر لیا ۔ امریکہ کے ساتھ intelligence information sharing کے نام پر طالبان کی مخبری کی' امریکہ کو افغانستان میں کارروائیوں کے لیے logistic support فراہم کی ۔ بظاہر کہا گیا کہ افغانستان پر حملہ امریکہ کے بحری بیڑوں سے ہو رہا ہے لیکن ٹونی فرینکس نے لکھا ہے کہ ۵۷۰۰۰ پروازیں پاک سرزمین سے اُڑ کر گئیں جنھوں نے افغانستان پر بمباری کی ۔ اس طرح نہ صرف ہم نے طالبان کی اسلامی حکومت کے خاتمہ میں حصہ لیا بلکہ افغانستان کے بے قصور مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ۔

(٦) مجاہدین کے خلاف ظالمانہ کارروائی

افغانستان کو روس کے ناجائز قبضے سے آزاد کرانے کے لیے اور وہاں ایک اسلامی حکومت کے قیام کے لیے دنیا بھر سے مجاہدین اِس خطہ میں آئے ۔ یہ مجاہدین بڑے بڑے خاندانوں کے چشم و چراغ تھے اور اِن کے فراہم کردہ وسائل نے روس کو افغانستان سے نکالنے اور وہاں ایک اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اِس کے بعد یہ مجاہدین اگر واپس اپنے ملکوں میں جاتے تو وہاں کے حکمران' جو درحقیقت امریکہ کے وائسرائے ہیں' اِنہیں اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کر کے مار ڈالتے ۔ لہٰذا یہ افغانستان اور پاکستان کے بعض علاقوں میں آباد ہو گئے ۔ مشرف حکومت نے چند ٹکوں کی خاطر اِنہیں پکڑ پکڑ کر امریکہ کے

حوالے کیا۔ظلم کی انتہا تو یہ ہے اِن مجاہدین کی بیویوں' بیٹیوں اور بہنوں کو بھی پکڑ کر کفار کے حوالے کر دیا گیا۔

(۷)لاقانونیت کی انتہا

پاکستان کے درجنوں بے گناہ شہریوں کو سرکاری خفیہ اداروں کی طرف سے ہر قانون و ضابطہ سے ماوراء ہو کر قید و بند میں مبتلا رکھا گیا اور بعض کو تو شہید ہی کر دیا گیا۔اعلیٰ عدالتیں بار بار اِن افراد کی رہائی اور بازیابی کا حکم دے چکی ہیں' لیکن اِس کے باوجود حکومت اور اُس کی ایجنسیاں اِن بے گناہ افراد کو رہا نہیں کر رہیں ۔شریعت کی رُو سے ایسا کرنا صریح ظلم وستم ہے۔

(۸)اپنے ہی شہریوں کے خلاف خونی آپریشن

بلوچستان' وزیرستان اور سوات میں اپنے ہی لوگوں کے خلاف خونی آپریشن کیا اور کئی بے قصور لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔کتنوں کو معذور کیا' کتنے بچوں کو یتیم کیا' کتنی خواتین کو بیوہ اور بے سہارا کیا اور کتنے خاندانوں کے گھر اجاڑ کر اُنہیں بے گھر کر دیا۔

(۹)اسرائیل کی ناجائز ریاست کو تسلیم کرنے کی طرف پیش رفت

اسرائیل' فلسطینیوں کو اُن کی سرزمین سے بے دخل کر کے ناجائز طور پر قائم کیا گیا۔اِس غنڈہ ریاست نے اقوامِ متحدہ کی قردادوں کی متعدد بار خلاف ورزیاں کی' نہتے فلسطینیوں کا خون بہایا اور کئی اسلامی ملکوں کے خلاف جارحیت کی۔بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے اسرائیل کو مغربی ممالک کی ناجائز اولاد قرار دیا۔آج صورتِ حال یہ ہے کہ ہم اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لیے بے چین ہیں۔یکم ستمبر ۲۰۰۵ء کو ہمارے وزیرِ خارجہ' اسرائیلی ہم منصب کے ساتھ ملاقات کر چکے ہیں۔پچھلے دنوں ہم نے اقوامِ متحدہ میں اسرئیل کی پیش کردہ قرارداد کی حمایت کرنے کی مذموم حرکت بھی کر ڈالی۔

(۱۰)امریکہ کے شرمناک جرائم پر مجرمانہ خاموشی

امریکہ نے عراق پر من گھڑت الزامات لگا کر حملہ کیا' کئی ہزار افراد کو ہلاک کیا اور کئی شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ابوغریب جیل میں نہتے قیدی مردوں اور عورتوں پر شرمناک مظالم ڈھائے اور ایذارسانی کی تصاویر شائع کر کے اُنہیں رُسوا کیا۔گوانتاناموبے میں بھی قیدیوں کے ساتھ سفاکی کا مظاہرہ کیا۔قرآنِ حکیم کی کئی بار توہین کی۔توہینِ رسالت کا ارتکاب کرنے

والے مجرم ملک ڈنمارک کے وزیرِ اعظم کو اپنی مکمل حمایت کی یقین دہانی کرائی۔ ہم اِس وقت امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی ہیں۔ اگر ہمارا ضمیر زندہ ہوتا اور ہم میں کچھ بھی غیرت کا مادہ ہوتا تو ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم امریکہ کے اِن جرائم کے خلاف آواز اٹھاتے' اس کے سفیر کو بلا کر احتجاج ریکارڈ کراتے۔ ہم نے اپنی مجرمانہ خاموشی کے ذریعے بدترین جرم کا ارتکاب کیا۔

(۱۱) روشن خیالی کے نام پر اسلامی تصورات میں تحریف

روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر اسلام کا ایک ایسا خودساختہ تصور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عام کیا جا رہا ہے جو کسی بھی اعتبار سے مغرب اور اُن کے گمراہ کن نظریات کے لیے خطرہ نہ بنے۔ ایسا اسلام جو مغرب کے تصورات' فکر اور اقدار سے بالکل ہم آہنگ ہو۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے علماء اور ائمہ مساجد کی توہین کی جا رہی ہے اور ایسے دانشوروں کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے جو روشن خیالی کے نام پر اسلام کا ایسا تصور پیش کر رہے ہیں جس میں پردے کے احکامات کی نفی ہے' سود کی حرمت کا ذکر ہی نہیں بلکہ اِس کے جواز کے لیے فتوے ہیں' موسیقی کے جواز کے لیے دلائل ہیں' جہاد کے تصور کی نفی ہے اور مذہب و سیاست کو جدا کیا جا رہا ہے۔ قرآنِ حکیم کی من چاہی تفسیر کی جا رہی ہے اور اِس حوالہ سے اُس رہنمائی کو نظر انداز کیا جا رہا ہے جو احادیثِ مبارکہ اور سنت رسول ﷺ سے حاصل ہوتی ہے۔ رواداری کے نام پر ایمان بالرسالت کی اہمیت کو ختم کیا جا رہا ہے۔

(۱۲) سرکاری سرپرستی میں بسنت کا تہوار

پاکستان میں ہر سال بسنت کا ہندوانہ تہوار سرکاری سرپرستی میں منایا جا رہا ہے اور سربراہِ مملکت اِس میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے ہیں۔ اِس تہوار کے موقع پر پتنگ کی دھاتی ڈور سے کئی افراد کی گردن کٹ جاتی ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اِن ہلاک ہونے والوں میں اکثریت معصوم بچوں اور بچیوں کی ہوتی ہے۔ سپریم کورٹ نے اس تہوار کے انعقاد پر پابندی لگائی اور حکومت نے آرڈیننس کے ذریعے اس پابندی کو ختم کرنے کا جرم کیا۔

(۱۳) اسلام آباد میں مساجد کی شہادت

اسلام آباد میں مشنری اسکولز' فحاشی کے اڈے' شراب خانے' قمار خانے' ڈانسنگ کلب' تفریح گاہیں' پارک اور ہوٹلز موجود ہیں' لیکن حکومت نے صرف مساجد سے دشمنی کی۔ کچھ

مساجد کو شہید کر دیا اور کئی مساجد کو شہید کرنے کے نوٹس جاری کیے۔

(۱۴) لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف بہیمانہ آپریشن

۱۰ر جولائی ۲۰۰۷ء کا دن بلاشبہ پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا۔ اِس روز ایک مسلمان ملک میں لال مسجد اور مدرسہ جامعہ حفصہ کا تقدس پامال کیا گیا' قرآنِ حکیم اور دینی کتب کی بے حرمتی کی گئی اور ایک خونی آپریشن کے ذریعے ملک میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے سینکڑوں مردوں اور خواتین کو طاقت کے بے رحمانہ استعمال کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔

(۱۵) مدارس کے خلاف اقدامات

برعظیم پاک و ہند میں دینِ اسلام کے صحیح فکر کی مدافعت وحفاظت مدارس کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ''تحریکِ علی گڑھ'' نے جدید علوم کے ساتھ الحاد اور مادہ پرستانہ طرزِفکر کو ذہنوں میں راسخ کر دیا۔ اِس تحریک کے زیرِ اثر سائنس کی مرعوبیت نے نگاہوں کو چکا چوند کر دیا۔ خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے' سائنس کے دریافت کردہ نظریات کو حتمی سمجھتے ہوئے اور عقلی توجیہات کی روشنی میں تعلیماتِ قرآنی اور دینی عقائد کی نئے تعبیرات کی جانے لگیں۔ ایسے میں تحریکِ دیوبند کے زیرِ اثر قائم ہونے والے مدارس ہی تھے جنہوں نے دین کے عقائد وشعائر کو اصل صورت میں برقرار رکھا اور اِن کی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ مشرف حکومت نے اِن مدارس میں رائج نصابِ تعلیم کو تبدیل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا اور غیر ملکی طلبہ کو نکالنے کے لیے بڑے سخت قسم کے احکامات جاری کیے۔ وہ ملک جو اسلام کے نام پر بنا تھا وہاں سے ہم اللہ کے اُن بندوں کو نکال رہے ہیں جو کسی ذاتی غرض سے نہیں' دنیا بنانے کے لیے نہیں' بلکہ دینی علم سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔

(۱۶) آغا خان تعلیمی بورڈ کا قیام

ملک کے تعلیمی نظام کو آغا خان تعلیمی بورڈ کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ اِس بورڈ کی سرگرمیوں کے لیے امریکہ امداد دے رہا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اگر کسی ادارے کو امریکہ فنڈز دے رہا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس ادارے کا مقصد کیا ہے؟ اِس بورڈ کے تحت پہلے ٹیسٹ میں طلبہ و طالبات کو ایسا questionare دیا گیا جس میں جنسی اعتبار سے انتہائی غیر

مہذب سوالات پوچھے گئے۔ اِسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جنسی اعتبار سے قوم کو کس قدر بے حیا بنانے کے مشن پر کام کیا جا رہا ہے۔ اِس تعلیمی بورڈ کے ذریعے سے پاکستانی طلبہ اور طالبات کو مغربی سوچ اور ثقافت کے رنگ میں رنگنا پیشِ نظر ہے۔

(۱۷) نصابِ تعلیم میں تبدیلی

امریکی خواہشات کی تکمیل کے لیے نصاب سے اسلام کے تصورِ جہاد' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجاہدانہ کردار کے تذکرے اور غزوات کے احوال کا بیان نکالا جا رہا ہے تاکہ طالب علموں میں کوئی تصورِ جہاد اور دین کی سربلندی کے لیے جہاد کا کوئی جذبہ سرے سے پیدا ہی نہ ہو۔ صحابیات رضی اللہ عنہن کے پاکیزہ کردار کا تذکرہ نکالا جا رہا ہے تاکہ بے پردگی اور بے حیائی کے خلاف ذہنوں میں احساسات جنم ہی نہ لیں۔ ختم نبوت سے متعلق مضامین ختم کیے جا رہے ہیں تاکہ اسلام دشمن قادیانی فتنہ کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ برعظیم میں تحریک پاکستان کے دوران ہندو دشمنی کے واقعات مٹائے جا رہے ہیں تاکہ پاکستان کے قیام کے ایک جواز کا سدباب کیا جاسکے۔ مسلمانانِ برعظیم پر انگریز قابضین کے مظالم کے بیانات خارج کیے جا رہے ہیں تاکہ مغرب کے استعماری کردار کی پردہ پوشی کی جاسکے۔ فحاشی' جنسی بے راہ روی اور موسیقی کی طرف رغبت دلانے والے مضامین نصاب میں شامل کیے جا رہے ہیں تاکہ اِن خرافات میں مبتلا ہونے کے بعد کسی اعلیٰ مقصد کے لیے کام کرنے کا خیال بھی دلوں میں پیدا نہ ہو۔

(۱۸) عام انسان کو معاشی حیوان بنانے کا منصوبہ

حکومت اپنی معاشی پالیسیوں کے ذریعے اِس ایجنڈے پر کام کر رہی ہے کہ ملک کے ایک عام شہری کو معاشی حیوان بنا دیا جائے۔ اُسے اپنی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے کولہو کے بیل کی طرح مشقت کرنی پڑے اور اُس کا بیشتر وقت اِسی مقصد کے لیے صرف ہو جائے تاکہ نہ وہ کوئی اعلیٰ سوچ سوچے اور نہ ہی باطل نظام کے خلاف کسی تحریک کا ساتھ دینے کے لیے اُس کے پاس وقت ہو۔ غریب کو غریب سے غریب تر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اکثر ملکی وسائل کو مفاد یافتہ طبقات کی طرف منتقل کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں پہلے کبھی اتنی خودکشیاں نہیں ہوئیں جتنی مشرف حکومت کے دور میں ہوئی ہیں۔ پٹرول' ڈیزل اور گیس کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔ خاص

طور پر کرائے اور سفری اخراجات بڑھائے جا رہے ہیں تاکہ لوگ اعلیٰ مقاصد کے لیے سفر کرنے کے بھی قابل نہ رہیں اور کسی ایک جگہ ظالمانہ نظام کے خلاف منصوبہ بندی کرنے اور اِس حوالے سے کسی تحریک کو منظّم کرنے کے لیے جمع بھی نہ ہوسکیں۔ اہم قومی اثاثہ جات کی نجکاری کی جارہی ہے اور اہم ادارے کوڑیوں کے مول من پسند سرمایہ داروں کو دیے جارہے ہیں جو ملازمین کی تعداد کم کر رہے ہیں اور بقیہ ملازمین سے طویل اوقات تک کام لے رہے ہیں۔

(۱۹) بے حیائی اور فحاشی کی اشاعت

بے حیائی اور فحاشی کی اشاعت جس تیزی کے ساتھ مشرف حکومت کے دور میں ہوئی ہے اِس کی نظیر ماضی کے کسی دورِ حکومت میں نہیں ملتی۔ مقصد یہ ہے کہ قوم کو اسلام کی پاکیزہ تہذیب سے دور کر کے مادر پدر آزاد مغربی تہذیب سے ہم آہنگ کیا جائے۔ کسی ملک میں بھی social engineering کے نام پر ایسے اقدامات نہیں کیے گئے جو ہماری حکومت نے کیے ہیں۔ مختلف ٹی وی چینلز پر حیا سوز مناظر دکھائے جا رہے ہیں۔ سائن بورڈز جتنے بیہودہ اِس دور میں آویزاں کیے گئے ہیں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یوٹیلٹی بلز پر بیہودہ تصویریں گھروں پر آرہی ہیں' یہاں تک کہ بچوں کی پینسلز' نوٹ بکس اور بیگز پر بیہودہ تصویریں چھاپی جارہی ہیں۔ موسیقی اور ناچ گانے کے کلچر کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ مخلوط معاشرت کو رواج دینا موجودہ حکومت کا ایک خاص مشن محسوس ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی اسمبلیوں میں خواتین کے لیے ۳۳ فیصد نشستیں مختص نہیں۔ ہمارے ہاں ایسا کیا گیا اور قومی' صوبائی اور ضلعی اسمبلیوں کے لیے دس ہزار عورتوں کو ایک دم گھر سے باہر لے آیا گیا۔ خواتین کے گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے سے اور غیر مردوں کے ساتھ رابطہ میں آنے سے معاشرے میں بدکاری عام ہوتی ہے' شوہر اور بیوی کے درمیان اعتماد ختم ہوتا ہے اور خاندانی نظام برباد ہو جاتا ہے۔ میراتھن ریس کے ذریعے بھی عورتوں کو گھروں سے نکال کر سڑکوں پر دوڑایا جارہا ہے۔ مغرب کی مالی امداد سے کام کرنے والی مادّہ پرست این جی اوز کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ یہ این جی اوز محبت کی شادیوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں' گمراہ کن نظریات کو فروغ دے رہی ہیں اور خدمتِ خلق کے پردے میں بے حیا کلچر کو عام کر رہی ہیں۔

عوام کے جرائم

قصور صرف حکومت کا نہیں‘ عوام الناس کی اکثریت بھی موجودہ حالات کی خرابی کے حوالے سے مجرم ہے۔ ہماری اکثریت نے میڈیا کی سہولیات اپنے گھروں پر مہیا کیں اور اپنے اہل خانہ کی میڈیا کے ذریعے انتہائی غلط رخ پر تربیت کی۔ آج معاشرے میں بے حیائی اور دینی واخلاقی اقدار سے دوری اِسی غلط تربیت کا نتیجہ ہے۔ اِسی کا مظہر ہے کہ ۲۷/دسمبر ۲۰۰۷ء کو سانحہ لیاقت باغ کی خبر آتے ہی عوام کی بڑی تعداد نے لوٹ مار اور آتش زنی میں بھرپور حصہ لیا۔ معاشی اعتبار سے ہماری اکثریت کرپشن میں مبتلا ہے۔ عبادت کے حوالے سے ہماری اکثریت جمنی‘ شبراتی اور رمضانی ہے یعنی صرف جمعہ کی نماز‘ شب برات کی شب خیزی اور رمضان میں عبادات کا اہتمام کرتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم حکومت کے مذکورہ بالا جرائم پر خاموشی اختیار کر کے‘ بے حسی کا مظاہرہ کر کے‘ اپنے ذاتی مفادات کو مقدم کر کے اور حکومتی جرائم کے خلاف احتجاج ریکارڈ نہ کرا کے حکومت کے جرائم میں برابر کے شریک ہیں۔

پاکستان کی بقا کا فوری حل

- ☆ حکومت کو چاہیے کہ ملک کی تمام قابلِ ذکر سیاسی جماعتوں‘ علماء اور وکلاء کے ساتھ مذاکرات کر کے اندرونی طور پر یکجہتی‘ مفاہمت اور استحکام کی فضا قائم کی جائے۔
- ☆ بلوچستان میں سرداروں سے گفتگو کر کے مفاہمت کی راہ نکالی جائے۔
- ☆ ملک میں متفقہ قومی حکومت قائم کی جائے اور اُس کی نگرانی میں منصفانہ انتخابات کروا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔
- ☆ امریکہ کی مزید فرمانبرداری سے معذرت کی جائے۔
- ☆ ایران کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کر کے باہم دفاعی معاہدہ کیا جائے۔
- ☆ چین کے ساتھ تعلقات کو مزید مضبوط کر کے دفاعی روابط اور بڑھائے جائیں۔
- ☆ ہر شہری کے لیے عسکری تربیت کا حصول لازم قرار دیا جائے اور اسرائیل اور چین کی طرح پاکستان میں بھی Peoples' Army قائم کی جائے۔

پاکستان کی بقا کا اصل اور مستقل حل

سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کی روشنی میں حالات کی خرابی کی وجہ اور حکمت ہمارے سامنے آئی۔ اِسی سورۃ کی آیت ۴۳ میں اصلاحِ احوال کی تدبیر بیان کردی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾

’’پس اپنے چہرے کا رُخ سیدھا کر لیجئے خالص دین کی طرف اُس روز کے آنے سے پہلے جس کو اللہ کے مقابلہ میں ٹالا نہ جاسکے گا‘ اُس روز وہ سب جدا جدا ہو جائیں گے‘‘۔

مسئلہ کا اصل اور مستقل حل یہ ہے کہ اللہ کی ناراضگی کو دور کیا جائے‘ اُس کے حضور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کی جائے اور اُس کے عطا کردہ خالص دین پر عمل کا فیصلہ کیا جائے۔ سورۂ یونس آیت ۹۸ میں بیان ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے آثار نمایاں ہو گئے تھے‘ لیکن اُس قوم نے توبہ کی تو اللہ نے اُس پر سے عذاب کو ٹال دیا۔

توبہ کے حوالے سے تین باتیں ضروری ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں‘ عافیت کا سوال کریں اور اُس کی نصرتِ خاص کے لیے التجا کریں۔

(ii) دعاؤں کی قبولیت کے لیے لازمی ہے کہ ہم انفرادی اعتبار سے توبہ کریں‘ یعنی ہم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں اور جہاں تک ہمارا اختیار ہے وہاں مکمل طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔ فرائض ادا کریں اور حرام سے بچیں۔ اگر ہمارے مجموعی مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے خدانخواستہ ملک پر کوئی عذاب آتا ہے تو ہم سب اُس کی لپیٹ میں آئیں گے‘ لیکن روزِ قیامت وہ لوگ عذابِ اُخروی سے بچ جائیں گے جنہوں نے انفرادی زندگی میں توبہ کر لی تھی۔

(iii) انفرادی توبہ کے ساتھ ساتھ دنیا میں عذاب سے بچنے کے لیے اجتماعی توبہ بھی ضروری ہے۔ اجتماعی توبہ یہ ہے کہ حکومت فی الفور ملک میں غیر شرعی قوانین اور امور کے خاتمے اور شرعی قوانین اور اقدار کے نفاذ کے لیے اقدامات کرے‘ اور عوام کسی ایسی تحریک میں شامل ہوں جو منظّم انداز سے نفاذِ اسلام کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ تحریک لوگوں میں حالات کی خرابی کا شعور اور احساسِ زیاں پیدا کر رہی ہو اور حکومتِ وقت سے ہمدردانہ انداز میں

اسلامی شعائر کے فروغ اور شریعتِ اسلامی کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہو۔ اِس کے ساتھ ساتھ اپنی افرادی قوت کو بڑھا کر ایک مؤثر پریشر گروپ تشکیل دے رہی ہو جو مناسب تعداد کی فراہمی پر حکومت پر دباؤ ڈال سکے کہ اسلام اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف اقدامات سے باز آجاؤ' ورنہ ہم پرامن ایجی ٹیشن کے ذریعے تمہارا یہ نظام نہیں چلنے دیں گے۔ ہمارے سامنے ایران کی مثال ہے۔ ایران میں مغربی کلچر کو بہت فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ وہاں ایک جماعت وجود میں آئی جس نے بادشاہ کے سیاہ کرتوتوں کے خلاف احتجاج کیا۔ لوگ سڑکوں پر آئے' ہزاروں افراد نے جانیں دیں اور آخر کار بادشاہ کو وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ آج ایران واحد مسلمان ملک ہے جس میں غیرت وحمیت نظر آتی ہے اور وہاں کا صدر امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق بات کہہ رہا ہے۔

اگر ہماری مؤثر تعداد نے انفرادی واجتماعی توبہ کی تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں:

﴿اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝۷﴾ (محمد)

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا''۔

﴿اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۶۰﴾ (آل عمران)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا' اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اُس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا؟ اور چاہیے کہ اہل ایمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو انفرادی واجتماعی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اِسی میں ہماری دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔ حالات کی خرابی کے حوالے سے اصل حقائق ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ اُس شخص کا جرم زیادہ بڑا ہے جس کو حقائق کا علم ہے' لیکن اس کے باوجود وہ آگے بڑھ کر انفرادی اور اجتماعی توبہ کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا۔ یہ روش آخرت میں ہمارے حساب کتاب کے معاملہ کو مشکل کر دے گی۔ ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!

اللہ تعالیٰ ہمیں غفلت اور بےحسی سے محفوظ فرمائے اور مال وجان سے دین وملت کی خیر خواہی اور خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ooo

اُسوہ وسیرت

اُخوت کی جہانگیری‘ محبت کی فراوانی

عتیق الرحمٰن صدیقی

مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد حضور نبی کریمﷺ نے جس معاشرے کی تاسیس فرمائی وہ مکمل طور پر ایک مثالی اسلامی معاشرہ تھا۔ اس معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں وہی انداز اور اسلوب اپنایا گیا جس کی ہدایت قرآن کریم میں کی گئی ہے۔ ارتقائی مرحلے کے تمام تر نقوش ایک تدریج کے ساتھ اسی مینارۂ نور کی روشنی میں ترکیب پاتے رہے۔ آپؐ نے ربّ علیم وخبیر کی عطا کردہ غیر معمولی ذکاوت وفطانت اور تدبر سے اس کے خدوخال میں ایسے رنگ بھرے‘ اور اس میں اپنے جلیل وجمیل طرزِ عمل سے ایسے اوصاف نمایاں کیے جو واقعتاً کتاب حکیم کے ان الفاظ کے مصداق تھے: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾(البقرۃ:۱۳۸). نبوت کے منہاج پر قائم اس معاشرے کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر رہی۔ رسول اللہﷺ نے ایک ایسے قبائلی معاشرے کی شیرازہ بندی کی جس میں ہر قبیلہ کی انانیت اپنی انتہاؤں پر تھی‘ کبر ونخوت اور سرکشی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی‘ نفرت وعداوت پوری شدت کے ساتھ موجود تھی‘ باہم دست وگریباں رہنا اور جنگ وجدال کا تسلسل قائم رکھنا ان کے انتقامی طبائع کا حصہ تھا۔ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے‘ ان کو دین کے مستحکم رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳﴾ (آل عمران)

’’اللہ کی رسّی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ مت پیدا کرو‘ اور اپنے اوپر اللہ کی اس

نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے‘ پھر اُس نے تمہارے دلوں میں (باہمی) اُلفت پیدا کر دی‘ سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے‘ حالانکہ تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے‘ سو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے‘ شاید تم راہ پاؤ‘‘۔

تاریخِ انسانی کے اس تابناک کارنامے کو مؤاخات اور بھائی چارے کا نام دیا گیا‘ جس کی بنیاد یہ تھی کہ اہل ایمان (مہاجرین وانصار) ایک دوسرے کے غم خوار ہوں گے۔ اس بھائی چارے کا مقصود‘ جیسا کہ محمد الغزالی نے بیان کیا‘ یہ تھا کہ ’’جاہلی عصبیتیں تحلیل ہو جائیں‘ حمیت و عزت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لیے ہو‘ نسل‘ رنگ اور وطن کے امتیاز مٹ جائیں‘ بلندی اور پستی کا معیار انسانیت وتقویٰ کے علاوہ اور کچھ نہ ہو‘‘۔ (الرحیق المختوم)

آر۔ وی۔ سی‘ باڈلے نے اپنی کتاب ’’The Messenger‘‘ میں‘ جسے ’’محمدٌ رسول اللہ ﷺ‘‘ کے عنوان سے سید امین زیدی نے خوبصورت اردو ترجمہ کے قالب میں ڈھالا ہے‘ مؤاخات کے بارے میں لکھا:

’’آپس میں ایک قابل عمل تعاون قائم رکھنے کے لیے حضرت محمد ﷺ نے ایک ایسا طریقہ نافذ کیا جس نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک مدنی کا باقاعدہ بھائی بنا دیا۔ مدینہ والوں کو آپؐ نے انصار یا امداد کرنے والے کہا اور اہل مکہ‘ یعنی وطن چھوڑ کر پناہ لینے والوں کو مہاجرین کا نام دیا۔ یہ لفظ ھَجَرَ سے مشتق ہے‘ جس کے معنی ہیں ’’اس نے وطن چھوڑ دیا‘‘۔ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو نہ صرف یہ کہ کھلایا پلایا اور مکان میں اپنے ساتھ رکھا بلکہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ان کے پاس تھا اس میں بھی ان کو حصہ دار بنایا۔ اس بھائی چارے نے مکمل طور پر ایک خونی رشتہ کی شکل اختیار کر لی‘ یہاں تک کہ جب کوئی انصاری فوت ہو جاتا تو اس کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنے ورثہ میں اپنے حقیقی وارثوں کے ساتھ اپنے منہ بولے بھائی کو متناسب حصہ دینے کی وصیت کرے۔ یہ ایک عظیم اور نہایت مدبّرانہ خیال تھا‘ کیونکہ اس نے انصار اور مہاجرین میں ایک قبیلہ کے افراد ہونے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا‘ جس نے ایک نئے دین کی بنیاد کے طور پر بیش بہا کام کیا۔‘‘ (’’محمدٌ رسول اللہ ﷺ‘‘ ص ۲۴۲)

اس عہد اخوت پر ایک دوسرے سیرت نگار لکھتے ہیں:

’’زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں باہمی حمایت ونصرت کی بنیاد خاندانی اور قبائلی

عصبیت پر رکھی گئی تھی' مہاجرین اپنے خاندانوں سے کٹ چکے تھے اور نئے ماحول میں انہیں کوئی تحفظ حاصل نہ تھا۔ قرآن مجید نے اسلامی معاشرہ کو منظّم کرنے کے لیے نئی اساسات فراہم کیں اور مہاجرین و انصار کے درمیان ایمان' اسلام اور ہجرت و جہاد کی بنیاد پر رشتۂ ولایت قائم کیا''۔ (حیاتِ رسولِ اُمی ﷺ)

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آنے والے افراد تہی دست اور بے سروسامان تھے' ان کے پاس رہنے کے لیے بھی جگہ نہیں تھی' حضور نبی کریم ﷺ نے انصار کو ہدایات دیں کہ وہ مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کے ساتھ عہد اخوت باندھ لیں اور مل کر تحصیل معاش کریں' تاکہ ان کی زندگی سدھر جائے' وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور اپنی روزی خود کمانے لگیں۔ رومانیہ کے دانشور کونسٹن دیرژل کے الفاظ ہیں:

''پیغمبر اسلامؐ کے کلام میں اتنا اثر تھا کہ مدینہ کے سارے مسلمانوں نے انؐ کی تجویز کو دل و جان سے قبول کرلیا اور یوں مکہ سے آنے والے ایک سو چھیاسی مسلمانوں نے مدینہ کے مسلمانوں' یعنی انصار کے ساتھ عہد اخوت باندھا اور ان لوگوں کے گھروں میں پناہ گزین ہوگئے''۔ (سیارہ ڈائجسٹ' عکس سیرت نمبر)

طالب الہاشمی لکھتے ہیں:

''ہجرت کے بعد ابتدائی پانچ مہینوں میں انصار کے گھر مہاجرین کے لیے مہمان خانۂ عام تھے' لیکن یہ ایک بے ترتیب سی زندگی تھی' اس لیے رسول اکرم ﷺ نے مہاجرین کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک سہل مگر مستقل اور منظّم طریق کار کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپؐ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع کیا۔ حاضرین کی تعداد ایک روایت کے مطابق سو (۱۰۰) اور دوسری روایت کے مطابق نوے (۹۰) تھی۔ ان میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ سرور عالم ﷺ نے مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''یہ تمہارے بھائی ہیں''۔ (سیرت رحمت دارین ﷺ)

سید سلیمان ندویؒ اسی مضمون کو یوں بیان کرتے ہیں:

''مسجد نبویؐ کی تعمیر جونہی مکمل ہوئی تو آپؐ نے انصار کو طلب کیا' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے وسیع مکان میں سب جمع ہوئے' مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی' آنحضرت ﷺ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا: یہ تمہارے بھائی ہیں۔ پھر

مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے یہ اور تم بھائی بھائی ہو! اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی قرار پائے' ان کی دو بیویاں تھیں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیجیے' لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا''۔ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حصہ اوّل)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے' روپے پیسے تو اس زمانہ میں نہیں تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیے جائیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے' اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے انکار کیا۔ انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے' جو کچھ پیداوار ہو گی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہو گا۔ مہاجرین نے اس کو منظور کر لیا''۔ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حصہ اوّل' بحوالہ صحیح بخاری)

یہ رشتہ حقیقی رشتہ کی صورت اختیار کر گیا' گویا اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل تھی۔ اللہ نے اہل مدینہ کی قدردانی ان الفاظ میں فرمائی:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾﴾ (الانفال)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا' اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی (یعنی مکہ کے مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی) اور مدد کی' وہ سچے مؤمن ہیں' ان کے لیے مغفرت ہے اور عمدہ رزق۔''

غزوۂ بدر کے بعد جب مہاجرین کی اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اُتری:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (الانفال:۷۵)

''اور اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

انصار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی تعمیل میں کہا تھا ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا''۔ اس پر مہاجرین نے عرض کیا: ''ہم نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس درجہ ایثار کرنے والے ہوں۔ یہ کام خود کریں گے اور حصہ ہم کو دیں گے' ہم تو سمجھتے ہیں کہ سارا اجر یہی لوٹ لے

گئے''۔ حضورﷺ نے فرمایا: ''نہیں، جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو گے، تم کو بھی اجر ملتا رہے گا''۔ (مسند احمد)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انصار کی فیاضی اور فراخ دلی کی تعریف ان الفاظ میں بھی فرمائی:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر)

''جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں، اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

دل کی یہ تونگری انصار نے زورِ بازو سے حاصل نہیں کی تھی، بلکہ اللہ کی توفیق اور اس کے فضل سے انہیں یہ عظیم نعمت میسر آئی تھی۔ یہ اسلام کی اخلاقی تعلیم کا فیض تھا کہ جس کی بدولت ان میں یہ جذبۂ اخوت سرایت کر گیا تھا۔ یہود کے ایجنٹ مختلف مواقع پر اس جذبہ کو سرد کرنے کے لیے کوشاں رہے، مگر وحدتِ فکر اور یکجہتی کی سپرٹ کو کافور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مذکورہ بھائی چارے کی طرح نبی کریمﷺ نے حکیمانہ سیاست سے کام لیتے ہوئے ایک اور عہد و پیمان بھی کرایا جو متعدد دفعات پر مشتمل تھا۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کے الفاظ میں:

''جس کے ذریعے جاہلی کشاکش اور قبائلی کشمکش کی بنیاد ڈھا دی اور دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ یہ تحریر محمد نبیﷺ کی جانب سے قریشی، یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مؤمنین اور مسلمانوں کے درمیان تھی''۔ (الرحیق المختوم)

اس رشتۂ اخوت میں انصار نے مہاجرین کی تألیف نفس میں یقیناً قابل تحسین کردار ادا کیا تھا، ان کا ایثار اور کشادہ دلی تحیر انگیز تھی، مگر دوسری طرف مہاجرین کی خودداری اور عزتِ نفس کا احساس بھی قابل صد ستائش تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نصف حصہ لینے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے کہا خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے، مجھ کو بازار کا راستہ بتا دیجیے!

انہیں پنیر اور گھی کے کاروبار میں کچھ منافع ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ان کے کپڑوں پر زردی کے آثار دیکھے تو دریافت فرمایا: ''عبدالرحمٰن یہ کیا ہے؟'' عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''مہر میں کیا دیا؟'' عرض کیا: ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ولیمہ کرو' خواہ ایک ہی بکری کا''۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح بعض صحابہؓ نے دکانیں کھول لی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ ''سنح'' کے مقام پر تھا' جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے۔ جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان واپس کر دیے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت میں تھے' واپس کر دیے۔ (صحیح مسلم' باب الجہاد)

مؤاخات کا یہ سلسلہ بظاہر تو ایک ہنگامی نوعیت کی ضرورت کو سامنے رکھ کر شروع کیا گیا تھا' تاکہ بے خانماں مہاجرین کی تسکین وطمانیت کا اہتمام ممکن ہو سکے' مگر حقیقت میں یہ درس گاہِ نبویؐ کا اوّلین مثالی سبق تھا' جس سے مستقل طور پر تہذیب وتربیت مقصود تھی اور اخوت کے نقوش سے اہل ایمان کی تزئین پیش نظر تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی حکمت بالغہ سے ایک صحت مند اور پاکیزہ معاشرہ کی بنیادیں استوار کر رہے تھے اور انہیں مکارمِ اخلاق سے آراستہ فرما رہے تھے' عبادت واطاعت کے آداب سکھا کر ان کا تزکیہ کر رہے تھے۔ آپؐ کی مسلسل کاوشوں اور کوششوں کی بدولت ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو تاریخِ انسانی کا سب سے زیادہ باکمال معاشرہ تھا' جو ظاہری اور معنوی خوبیوں سے متصف تھا۔ عملی اخوت کا یہ فقید المثال مظاہرہ تھا جس میں تعاون' محبت ومودت اور ایک دوسرے پر زیادتی اور مخاصمت سے اجتناب شامل تھا۔ آنے والوں کے لیے یہ بہترین نمونے کی تعیین کر گیا۔ قرآن نے کہا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (الحُجرٰت: ۱۰)

''مؤمن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں' لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو!''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾﴾ (الاحزاب)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے' ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

یہ ایک مسلسل عمل تھا جسے حضور نبی کریم ﷺ نے قولِ احسن اور عمل صالح سے برابر قائم رکھا اور وقتاً فوقتاً جسم و روح کی بالیدگی کا اہتمام فرماتے رہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا)) وَشَبَّکَ اَصَابِعَهٗ[1]

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے''۔ یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى))[2]

''مسلمانوں کی مثال باہم مودت' رحمت اور الفت میں ایک جسم کی ہے' کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا تمام جسم بیداری اور بخار کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے''۔

ایک مؤمن کے دل میں اخوت جتنی زیادہ راسخ ہوتی ہے اسی قدر وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ : اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا' وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ' وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ))[3]

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب تشبیك الاصابع فی المسجد وغیرہ۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حلاوة الایمان۔

''تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا: ایک یہ کہ اللہ اوراس کے رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں' دوسری یہ کہ وہ کسی سے محض اللہ کے لیے محبت کرے اور تیسری یہ کہ کفر میں لوٹ جانا اسے اتنا ہی ناپسندیدہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا''۔

کسی بھی معاشرے میں اخوت کے قائم رہنے کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس معاشرے کے افراد کے مابین کسی قسم کا کھوٹ اور میل موجود نہ ہو اور کسی رنجش کی وجہ سے روابط وتعلقات میں انقطاع نہ ہونے پائے۔ اخوت کی اس تنظیم کو مضمحل ہونے سے بچانے کے لیے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ' يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هٰذَا وَيَصُدُّ هٰذَا' وَخَيْرُهُمَا الَّذِیْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ)) (٤)

''کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین یوم سے زیادہ عرصے تک ترکِ تعلق رکھے' کہ دونوں اگر ملیں بھی تو منہ پھیر لیں۔ ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کے ذریعے آغاز کرے''۔

عطاء بن مسلم عبداللہ خراسانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تَصَافَحُوْا يَذْهَبِ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ)) (٥)

''ایک دوسرے سے مصافحہ کرو' کھوٹ دُور ہو جائے گی۔ اور ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو' اس سے محبت پیدا ہو گی اور بغض ونفرت دور ہو گی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ' لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ' وَمَنْ كَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ ' وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ' وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (٦)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا

---

(٤) صحيح البخاری' كتاب الاستئذان' باب السلام للمعرفة وغير المعرفة۔

(٥) موطأ مالك' كتاب الجامع' باب ما جاء فی المهاجرة۔

(٦) صحيح البخاری' كتاب المظالم والغصب' باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه۔

ہے' اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت برآری میں کوشاں ہوگا اللہ اس کی حاجت برآری میں ہوگا' اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی غم اور دکھ دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں میں سے اس کی کسی سختی کو دور کر دے گا' اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اخوت اور عدل کی بنیاد پر معاشرہ کی تعمیر فرمائی۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی اپنی کتاب ''فقه السیرة'' میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد پر مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات کرائی اور اس کے نفاذ کے ذریعے دنیا کا عظیم الشان اور دلکش معاشرتی نظام قائم ہوا'' (بحوالہ مدنی معاشرہ۔ از ڈاکٹر لقمان اعظمی ندوی)

ندوی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

''اس اخوت اور عدل کے اصول و مبادی میں مسلسل ارتقاء ہوتا رہا' یہاں تک کہ انہوں نے بعد میں لازمی شرعی احکام و قوانین کی صورت اختیار کر لی۔ مگر ابتدا میں وہ اوّلین بنیاد ـــــ اخوت اسلامی ـــــ پر قائم ہوئے''۔ (مدنی معاشرہ)

اخذ و استفادہ

(۱) تفہیم القرآن' جلد چہارم و پنجم' از سید مودودی (۲) سیرت النبی' جلد اوّل' از شبلی نعمانی

(۳) عہد نبوی کا مدنی معاشرہ' از ڈاکٹر سید محمد لقمان اعظمی ندوی

(۴) الرحیق المختوم' از صفی الرحمٰن مبارک پوری (۵) رحمت دارین' از طالب ہاشمی

(۶) حیاتِ رسولِ اُمی ﷺ' از خالد مسعود (۷) محمدؐ رسول اللہ ﷺ' آر۔ وی۔ سی باڈلے

(۸) سیارہ ڈائجسٹ' عکس سیرت نمبر

❁ ❁ ❁

فریضۂ اقامتِ دین
رکاوٹیں اور ان کا حل

محمد رشید عمر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾﴾ (الشوریٰ)

''راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی، جس کا حکم کیا تھا نوحؑ کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو، یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔ بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو اُن کو بلاتا ہے۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے۔''

نیز ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹) ''یقیناً اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔'' دینِ اسلام سے مراد ایسا نظامِ زندگی ہے جس میں زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو مان کر اس کے دیے ہوئے قانونِ سزا و جزاء کو لاگو کر کے زندگی گزاری جائے۔ منشائے الٰہی یہ ہے کہ اگر یہ نظام قائم ہے تو اسے قائم رکھا جائے اور قائم نہیں تو قائم کیا جائے اور انسان اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بن کر اس کا نفاذ کریں۔ اس نظام میں مرکزی حیثیت اللہ اور رسول ﷺ کو حاصل ہوتی ہے، انسان کی حیثیت بطور اُن کے نائب کی ہوتی ہے۔ اس کی روح خلوص پر مبنی للّٰہیت اور انسانی ہمدردی ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں عدل

وقسط کا چلن عام ہوتا ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

شیطانِ لعین اس نظام کا کھلا دشمن ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسان راہِ مستقیم پر چل کر دوبارہ جنت عدن میں پہنچ جائے۔ چنانچہ اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ انسانی فکر وعمل پر ایسی کاری ضرب لگائے کہ پہلے قدم پر ہی انسان کج روی کا شکار ہو جائے۔ اس کے بعد جتنے بگاڑ پیدا ہوتے ہیں وہ اسی بنیادی کج روی کے مختلف شاخسانے ہوتے ہیں۔ ان شاخسانوں کو شیطان تلبیسِ حق بالباطل اور کتمانِ حق کے لیے ایسے استعمال کرتا ہے کہ بڑے بڑے دماغ اصلاح کے نام پر بھول بھلیوں کا شکار ہو کر زندگی گزار دیتے ہیں اور سرا ہاتھ نہیں آتا۔ مسائل کی ڈور سلجھنے کی بجائے مزید اُلجھتی جاتی ہے کہ بجز بڑے بڑے فلسفیانہ نظریات اور موجدین کے ناموں کے، انسانیت کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رُسل علیہم السلام کو اسی مقصد کے لیے مبعوث فرمایا کہ وہ انسانی فکر وعمل کی بنیادی کج روی کو سیدھا کر کے اس کو پھر سے صراطِ مستقیم کی پٹڑی پر چڑھا دیں۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ کی متذکرہ بالا آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واشگاف انداز میں دین کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس مقام پر حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ چار جلیل القدر انبیاء ورسل علیہم السلام کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو بھی اسی کام کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر ہم ان جلیل القدر نبیوں کی زندگیوں اور ان کی دعوت کا جائزہ لیں تو درج ذیل باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں:

(۱) قوموں کی کج روی کا بنیادی سبب

(۲) صراطِ مستقیم سے ہٹانے والے پُر زور عوامل

(۳) ان کا علاج

شیطان کا انسان پر سب سے بڑا وار یہ ہے کہ وہ اسے اللہ کے ساتھ یکسو ہو کر رہنے کی بجائے شرک میں مبتلا کر دے اور ایمان باللہ کی بنیادوں کو ڈھا دے۔ اگر یہ بنیادی پتھر اکھڑ جائے تو پھر اسے باقی کی کوئی فکر نہیں۔ چنانچہ قومِ نوحؑ کو اسی مرض میں مبتلا کیا گیا۔ وہ اس مرض میں اتنی شدت سے مبتلا ہوئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ۹۵۰ سالہ محنت کے نتیجے میں محض ایک کشتی کی سواریوں کی تعداد سے زیادہ کی اصلاح نہ ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ نے باقی سب کو غرق کر کے ان کشتی سواروں کی اولاد سے دنیا کو نئے سرے سے آباد فرمایا، جنہوں نے دین اللہ کے مطابق زندگی گزاری۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے والد کو اپنی پیروی کی دعوت دی‘ قوم اور بادشاہ کے سامنے اعلیٰ عقلی سطح پر ایمان کی دعوت رکھی تو سب دشمن ہو گئے۔ والد کی بزرگی نے راستہ روکنے کی کوشش کی‘ قوم اور اقتدارِ اعلیٰ نے انتہائی سزا دینے کی کوشش کی‘ لیکن آپؑ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ طاغوت جس شکل میں بھی آپؑ کے سامنے آیا‘ آپؑ نے اس کو پہچانا اور اس کا مقابلہ کیا۔ اس اعتبار سے آپؑ کی زندگی مسلمانوں کے لیے بہترین اُسوہ کے طور پر پیش کی گئی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا گیا:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ (الانعام)

’’(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ میرے ربّ نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے‘ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں‘ ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اُس نے اختیار کیا تھا۔ آپ کہہ دیجیے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے‘ جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے‘ اس کا کوئی شریک نہیں‘ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں۔‘‘

راہِ مستقیم سے ہٹانے کے لیے کن کن محاذوں سے شیطان حملہ آور ہو سکتا ہے اور اس کے لیے کس طرح کی ثابت قدمی مطلوب ہے‘ حیاتِ ابراہیمؑ اس کا کامل نمونہ ہے۔ لیکن حضراتِ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا ذکر سورۃ الشوریٰ کی آیت مبارکہ میں بطور خاص قابل توجہ ہے۔ دیکھئے راہِ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کو کج روی پر مجبور کرنے میں کون بڑا رول ادا کرتا ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت کا طاغوتی نظام ہے۔ چنانچہ کوئی طاغوت راہِ حق پر چلنے والوں کی دشمنی میں کہاں تک جا سکتا ہے اور اس کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے‘ اس کے لیے حیاتِ موسیٰؑ کو بطورِ خاص سامنے لایا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے فرعون کا مقابلہ کیا۔ آج یہ جملہ ’’ہر فرعونے را موسیٰ‘‘ وقت کے جابر حکمرانوں کا مقابلہ کرنے والوں کے لیے بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔

دوسرا بڑا سبب جو لوگوں کے لیے راہِ حق کی پیروی میں رکاوٹ بنتا ہے‘ وہ علماءِ سو ہیں جو

ظالم حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کر کے ان کی طرف سے کیے گئے ظالمانہ اور غیر منصفانہ اقدامات کو سندِ جواز عطا کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مساعیٔ جمیلہ پر نظر دوڑائیں تو یہ چیز واضح نظر آتی ہے کہ انہوں نے علماءِ یہود کے کردار کو نہ صرف بے نقاب کیا بلکہ اس پر بے رحم تنقید کی' تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''فقیہوں سے خبردار رہنا جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنے کا شوق رکھتے ہیں اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی پسند کرتے ہیں۔ وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہیں۔ انہیں زیادہ سزا ہوگی''۔ (لوقا: باب ۲۰' آیات ۴۶' ۴۷)

انہوں نے فقیہوں اور دنیادار علماء کو چونا لپی قبروں سے تشبیہہ دی۔ بڑے جرائم سے چشم پوشی اور چھوٹی خطاؤں پر مؤاخذے کو اِن الفاظ سے واضح فرمایا کہ تم مچھر چھانتے ہو اور سالم اونٹ نگل جاتے ہو۔

اصحابِ اقتدار کا ظلم اور علماءِ سوء کی تنگ نظری' تفرقہ بازی اور فتویٰ فروشی گھٹن کا ایسا ماحول پیدا کر دیتی ہے کہ عام آدمی اس ماحول سے فرار چاہنے لگتا ہے۔ نشأۃِ اولیٰ میں جب اسلام ہر طرف پھیل رہا تھا تو اس کے عیسائی دنیا میں قبولِ عام کے اسباب میں عیسائی معاشرے کی یہی گھٹن تھی' جس سے چھٹکارے کے لیے لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونا شروع ہوگئے۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب ''دعوتِ اسلام'' میں عیسائی دنیا کی اس حالت کا تاریخی شہادتوں کی روشنی میں نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

''امراء کا بددیانت طبقہ' جابر پادریوں کی بے شمار جماعت' غیر فطری قوانین کی سختی' ایک مکروہ حکومت کا استحصال بالجبر اور اس کے علاوہ حکومت کی اجارہ داریاں' اس کا مالی نظام' ٹیکس اور محصول جمع کرنے والوں کا لشکر' غرض کہ ان سب چیزوں نے مل کر مظلوم رعایا کے حقوق غصب کر لیے تھے...... ان کے لیے اصلاح حال یا تلافیٔ مافات کی کوئی امید باقی نہیں چھوڑی تھی''۔ (دعوتِ اسلام' ص ۱۵۴)

''قبرص کے تمام باشندے وینس والوں کے غلام ہیں' کیونکہ وہ اپنی آمدن کا تہائی حصہ حکومت کو ادا کرنے پر مجبور ہیں' خواہ وہ آمدن ان کی اراضی سے حاصل ہو یا غلہ' شراب' نیل' مال مویشی یا کسی اور شکل میں ہو۔ اس کے علاوہ ان میں سے ہر شخص مجبور ہے کہ ہفتہ میں دو دن تک سرکاری بیگار میں جہاں اسے مقرر کیا جائے' کام کرے۔ اگر کوئی

شخص اپنے ذاتی کام یا بیماری کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو تو اسے اپنی غیر حاضری کے ایام کے حساب سے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس پر سالانہ ٹیکس وغیرہ مستزاد ہیں۔ ان ٹیکسوں کی وجہ سے بیچارے غریب عوام اس قدر مظلوم اور پریشان رہتے ہیں کہ ان کو اتنا آذوقہ بھی میسر نہیں جس سے وہ جسم و جان کا باہمی رشتہ قائم رکھ سکیں''۔ (دعوتِ اسلام، ص ۱۵۳)

اس کے مقابلے میں وہ ترکوں کے زیر تسلط علاقوں کا حال بیان کرتا ہے:

''یہ تعجب کی بات ہے کہ ان وحشی لوگوں (ترکوں) کی نظامت میں ایسے بڑے اور گنجان شہر میں قتل و غارت کے واقعات سننے میں نہیں آتے اور کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوتی۔ ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان روم (ترکی سلطان) اپنے دار الحکومت قسطنطنیہ کو تمام دنیا کا دار الامان کہتا ہے۔ کیونکہ جس قدر آفت زدہ لوگ ہیں ان کو اس شہر میں پناہ ملتی ہے۔ سب کے ساتھ یکساں طور پر انصاف ہوتا ہے، خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، عیسائی ہو یا کافر''۔ (کافر سے مراد مسلمان ہیں۔)

مسلمانوں کے زوال کے بعد عالمِ عیسائیت نے سیکولرزم کے نام پر مذہب کو ایک طرف کر کے دنیا میں ترقی کے دروازے عوام کے لیے کھول دیے ہیں۔ حکومتی سطح پر انصاف اور عوامی فلاح و بہبود کا نظام رائج کر دیا گیا ہے اور معاشرتی زندگی سے مذہبی پابندیاں ہٹا کر مادر پدر آزادی دے دی ہے۔ اس کے مقابلے میں عالمِ اسلام بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کا ماحول ماقبل اسلام کے بیمار عالمِ عیسائیت کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ ظالم لٹیرے حکمران، غریبوں کے حقوق غصب کرنے والے جاگیردار اور سرمایہ دار اقتدار پر مسلط ہیں، جن کی حق پرست علماء اور عوام کے ساتھ کھلی جنگ ہے۔ ان کو بنیاد پرست کا نام دے کر مطعون کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف علماءِ سوء نے عوام کو فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم کر کے مذہب بیزاری کو پروان چڑھایا ہوا ہے۔ مساجد میں فاقہ، غربت اور تنگ دستی کے اسباب گنوانے کے لیے جن خرابیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے ان میں حکومتی مظالم اور جرائم کا محاسبہ شامل نہیں ہوتا۔ حکومتی مظالم اور ناانصافیوں کے شکار لوگ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہوتے ہیں یا بہتر مستقبل کی تلاش میں دین و دنیا کی دولت لٹا کر غیر اسلامی ملکوں میں جہاں آسائشاتِ دنیا کے ساتھ مادر پدر آزادی حاصل ہے، بھاگ جانے یا پناہ حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ جب حالات اس قدر خراب ہو

جائیں تو پھر انسان روئے زمین پر اپنی بقاء کا جواز کھو دیتے ہیں۔ وہ اس بات کے مستحق ہوجاتے ہیں کہ خالقِ کائنات دنیا کو ان کے وجود سے پاک کر دے' لیکن اس نے مہلت اور ڈھیل کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾

(الشورٰی:١٤)

''اور اگر تیرے ربّ کی طرف سے ایک مقررہ وعدہ تک کی بات طے نہ ہوچکی ہوتی تو لازماً ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا جاتا۔''

حق و باطل کے معرکے کو وہ ذات پاک مدتِ معین تک' جو صرف اس کو معلوم ہے' جاری رکھنا چاہتی ہے' اور دیکھنا چاہتی ہے کہ کون ایمان کا حق ادا کرتا ہے' کون اس کی راہ میں جہاد اور صبر کی منزلیں طے کرنے والا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ما قبل اسلام حکومتی مظالم اور علماءِ سوء کے پیدا کردہ بگاڑ سے سسکتی دنیا کو اسلام کی شکل میں حیاتِ تازہ کا سامان فراہم کیا گیا' جبکہ اب اسلامی دنیا کے نااہل حکمرانوں اور ان کے معاون علماءِ سوء کی پیدا کردہ گھٹن کو یورپ کی مادر پدر آزادی کی شکل میں عافیت کا سانس ملتا نظر آ رہا ہے۔ لیکن یہ مادر پدر آزادیٔ نفس انسانیت کی موت ہے۔ انسانیت کی اس مردہ لاش کو زندہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو معجزانہ صلاحیت کے ساتھ دوبارہ دنیا میں بھیجیں گے' اور یہ مردہ لاش شاید ان کی صدائے ''قم باذن اللہ'' کے بغیر زندہ نہ ہوسکے۔ لیکن مسلمانوں کے پاس تو بگاڑ کو ٹھیک کرنے کے لیے آبِ حیات یعنی قرآن مجید موجود ہے' جس میں انبیاء ورُسل کی زندگی اور ان کی محنت کو بطور نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے' تاکہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے لیے لائحہ عمل تیار کرسکیں۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب نے مذہب کو ایک طرف رکھ کر اپنے معاشرے کو مادر پدر آزادی دی ہے۔ دوسری طرف وہ ٹیکنالوجی کے زور پر آسائشاتِ دنیا کے حصول میں کامیاب ہیں اور ان کے استعمال کے لیے اپنے بنائے ہوئے معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام العمل پر عمل پیرا ہیں۔ اس نظام العمل کو وہ نہ صرف مثالی اور اعلیٰ سمجھتے ہیں بلکہ اس کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کے لیے بھی اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مسائل کا شکار دنیائے اسلام ہے۔ ان کے لیے اپنا ماضی قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ آنکھوں سے نظر آنے والے پُرتعیش مغربی معاشرے اور بظاہر کامیابی سے چلنے والے نظام العمل کے پیچھے کارفرما

نظریاتی اور فکری مواد نے نہ صرف دین سے دور اصحابِ اقتدار یا اصحاب علم وقلم کو متأثر اور مرعوب کیا ہے' بلکہ بہت سارے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے حامی اصحابِ علم و دانش بھی ان کی لپیٹ میں ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام نے حکومت سازی کا کوئی معین طریقہ مؤکد نہیں کیا۔ اپنی بے عملی' بے ہمتی اور فکری و عملی جمود کی وجہ سے اور ہر محاذ پر باطل کی بے باک نمود نے ایسے تذبذب میں ڈال دیا ہے کہ آج ہم اس فرمانِ الٰہی کی مکمل تصویر بنے ہوئے ہیں:

﴿وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ﴾ (الشوریٰ)

''اور جو لوگ ان کے بعد (خدا کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شک کی اُلجھن میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

اگر اسلام نے حکومت سازی اور اپنے معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام العمل کو نافذ کرنے کا کوئی طریقہ معین نہیں کیا تو رسول اللہﷺ نے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کو ایسے ہی غالب کر دیا تھا؟ خلفائے راشدین کا مثالی دور ایسے ہی وجود میں آ گیا تھا؟ آج ہمیں پوری جرأت کے ساتھ اس بات کا اعتراف ہی نہیں اس کے ابلاغ کا بھی حق ادا کرنا چاہیے کہ حکومت سازی کا کوئی بہترین طریقہ ہوسکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا دیا ہوا ہے' جو صرف رسول اللہﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے ذریعے معین کیا گیا' بلکہ ان ہی حدود کے اندر مقید ہے جن حدود میں رہ کر انہوں نے اس فریضہ کو ادا کیا۔ کمیونزم کا حشر دنیا دیکھ چکی ہے' امپیریلزم کا مزہ چکھ چکی ہے' اب سیکولرزم کا مزہ چکھ رہی ہے۔ یہ سیکولرزم ہی ہے جس کے ہاتھوں انسانیت کی روح پر موت واقع ہو رہی ہے' جس کا آغاز یورپ و امریکہ سے ہو چکا ہے۔ یہ سیکولرزم ہی ہے جس میں جمہوری دھوکے سے طاغوت اپنا پنجہ زمین پر گاڑ رہا ہے اور اہل بصیرت کے لیے اس کا دھوکہ ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اسلام نے حکومت سازی کا کوئی طریقہ معین نہیں کیا' بلکہ اسے بعد میں آنے والی تمدنی تبدیلیوں کے پیش نظر کھلا چھوڑ دیا گیا ہے' تو کیا اب انسانیت کو موت کی نیند سلانے والے دانشوروں کے فلسفوں سے مدد لی جائے گی؟ نہیں' اس کے لیے ذرا دقتِ نظر سے کام لینا ہوگا' مرعوب ہونے کی بجائے ابراہیمی نظر سے دیکھنا ہوگا۔ جہاں تک کوئی خیر مغرب میں دیکھی جاسکتی ہے تو وہ تو خود اسلام سے مستعار لی ہوئی ہے' ان کی اپنی کہاں ہے! البتہ شور وغوغا اتنا ہے کہ حقیقت تک رسائی مشکل نظر آتی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس کی مثال قرآن مجید میں وقوعِ قیامت کے متعلق دی گئی ہے:

﴿بَلِ ادّٰرَکَ عِلۡمُهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ بَلۡ هُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡهَا بَلۡ هُمۡ مِّنۡهَا عَمُوۡنَ﴾ (النمل)

''بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم تھک چکا ہے' بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں' بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔''

آخرت کے واقع ہونے کی علمی گرفت کی عدم صلاحیت نے لوگوں کو شک میں مبتلا کر دیا ہے' بلکہ بالکل اندھے ہو گئے ہیں' ان کے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کی بات کا اکثر سامنا ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ جی سود کا متبادل کیا ہے' سود کے بغیر کاروبارِ دنیا کیسے چل سکتا ہے؟ ظاہر ہے دُنیا جس حال میں ہے اس میں سود کا متبادل نظام چلانا تو ممکن نہیں ہے۔ سود کے خاتمے کے لیے تو پہلے سے موجود نظام کو بالکلیہ ختم کرنا ہوگا' پھر اسلامی نظامِ معیشت لاگو ہو سکتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے کہ کہا جائے کہ اسلام نے حکومت سازی کا کوئی طریق کار معین نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اسلام کو نافذ کیا' خلافتِ راشدہ میں خلیفہ کا جس طرح چناؤ کیا گیا' وہ یہی طریقہ یا طریقے ہیں جن کے اندر حکومت سازی کے طریقے کو معین کر دیا گیا ہے۔ انہی کے نقشِ قدم پر چل کر اداروں کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے اور چلایا جا سکتا ہے' لیکن اس کے لیے بنیادی انفراسٹرکچر تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کوئی کام بنیادی ضرورتیں پوری کیے بغیر مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بنیادی کام ہے انسانوں کی کردار سازی اور اس کے لیے خالقِ کائنات کی ہدایت پر عمل۔ اس نے حکم دیا ہے:

﴿وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ (التغابن:۱۲)

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔''

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آل عمران:۱۳۰)

''اے ایمان والو! سود مت کھاؤ بڑھا چڑھا کر۔''

﴿کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا﴾ (المؤمنون:۵۱)

''پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور صالح عمل کرو۔''

﴿وَالَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ......﴾ (الشوریٰ:۳۷)

''اور وہ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں......''

قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر حق پرست جمعیت کے افراد کے اور بہت سے اوصاف

بیان کیے گئے ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى......﴾ (بنی اسراء یل:۳۲)

''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ......''

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ......﴾ (المنفقون:۱۰)

''اور جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو......''

﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴿۳۷﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور وہ جو غصہ کی حالت میں درگزر کر جاتے ہیں''۔

ان صفات کا حامل معاشرہ فراہم ہو جائے تو ان لوگوں میں حکمرانی کا حق کسے ہو' کیسے طے کیا جائے' کوئی مشکل اور پیچیدہ معاملہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ہمارا معاشرہ جس میں' الا ماشاء اللہ' منافقت اور فریب کاری کو حکمرانی کا گُر' رشوت کو صلۂ خدمت' جھوٹ' وعدہ خلافی' ملاوٹ کو کاروباری ہوشیاری' سود کو منافع' فحاشی اور بے حیائی کو ثقافت اور کلچر کا نام دیا جا رہا ہو اور بدکردار لوگوں کو بطور ہیرو لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو اُس معاشرے اور ماحول میں تو اسلام حکومت سازی کا کوئی طریق کار متعین نہیں کرتا۔ اس ماحول میں اسلامی قوانین کن پر لاگو کیے جا سکتے ہیں؟ اسلامی قوانین اور طرزِ حکومت اس معاشرے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس سب کو جب تک ختم نہیں کریں گے تب تک اسلامی حکومت سازی کا کام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آج اس ماحول کو حاصل کرنے کے لیے پیغمبرانہ ایمان وعزم کی ضرورت ہے۔ آخر وہ لوگ ہماری آنکھوں کے سامنے ہی ہیں جو طاغوتی طاقتوں کے گائیڈڈ میزائلوں' ڈیزی کٹر بموں اور اندھیرے میں دیکھنے والے آلات کو خاطر میں نہیں لا رہے۔ وہ کس عزمِ راسخ کے ساتھ ان کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں! آج ہمیں اس عزمِ راسخ کی ضرورت ہے۔ اس عزمِ راسخ کے ساتھ ایمان کے موضوعات کو اعلیٰ عقلی سطح پر آشفتہ سر لوگوں کی فلسفیانہ موشگافیوں سے مرعوب ہوئے بغیر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ سائنس خود خالق کائنات کی کس قدر محتاج ہے' یہ بات سائنسی دماغوں پر واضح ہو چکی ہے۔ شاید اب کوئی ڈارون انسانی دماغ کو پراگندہ نہ کر سکے۔ اب عدل کے نظام العمل کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عالمِ اسلام میں پائی جانے والی تفریط اور مغرب میں پیدا شدہ افراط کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس میں بھی پہلی ضرورت عالمِ اسلامی کے اصحاب اقتدار اور اُن کے حواری دانشوروں کا مقابلہ

کرنا ہے‘ جس کے لیے ایک باکردار جمعیت مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ پھر یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ:

﴿اللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (الشوریٰ)

’’اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرے۔‘‘

چاہے تو اقامت دین کے لیے خود کسی کو چن لے اور مناسب حالات اور موقع پر اس سے یہ خدمت لے لے‘ یا کسی کو اس راستے کی ہدایت دے دے اور وہ فرعونِ وقت کا مقابلہ کرکے اپنی منزل کو پالے۔ جو لوگ اس کام کو ناممکن سمجھتے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہیے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ......﴾ (الشوریٰ:١٦)

’’جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں اس کے بعد کہ جب لوگ اس کو مان چکے ان کا جھگڑا باطل ہے ان کے ربّ کے یہاں......‘‘

ہم کسی بات کا علمی احاطہ کرپائیں یا نہ کرپائیں‘ زمینی حقائق ہمیں موافق نظر آئیں یا غیر موافق‘ ہدایت کا راستہ وہی ہے جو خالق کائنات نے بتادیا ہے۔ غور کیجیے سورۃ الفتح کی آخری آیت پر:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ﴾ (الفتح)

’’محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں‘ آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع و سجود میں (سرگرم) پاؤ گے۔ ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے ہے۔ یہی اوصاف ان کے تورات میں بھی مذکور ہیں‘ اور انجیل میں ان کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی‘ کہ اس نے (پہلے زمین سے) اپنی کونپل نکالی‘ پھر اس کو قوی کیا‘ پھر وہ موٹی

ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور (اپنی سرسبزی سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، (یہ نشو ونما صحابہ کو اس لیے دی) تا کہ کافروں کو اُن سے جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو (خلوصِ دل سے) ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل (بھی) کیے ہیں، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

سورۃ النور میں اللہ نے وعدہ فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو لازماً زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی، اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو اُن کے لیے لازماً جما کر رہے گا اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو لازماً امن میں بدل دے گا، (بشرطیکہ) وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو شخص اس (وعدے کے ظہور) کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔''

؎ گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن!

❁❁❁

مولانا امین احسن اصلاحی کے نام دو خطوط

اُن کی حیاتِ مستعار کے آخری ایاّم کے دوران

از: ڈاکٹر اسرار احمد

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کے ساتھ میرے تعلقات اور ان کے ضمن میں نشیب و فراز کے اَدوار کی تفصیل ایک حد تک ''دعوت رجوع الی القرآن'' نامی تالیف میں درج ہو گئی تھی —— مولانا کی حیاتِ دُنیوی کے آخری ایاّم میں اس معاملے میں کچھ شدت پیدا ہوئی اور بعض اوقات محض ملاقاتوں کے مابین بھی کئی کئی ماہ کے وقفے ہونے شروع ہوئے —— اس ضمن میں ۱۹۹۵ء میں ان کی شدید علالت اور معذوریوں کے دَور میں چند بار مزاج پرسی کے لیے حاضری بھی ہوئی اور میں نے دو خطوط بھی ان کی خدمت میں تحریر کیے —— گزشتہ دنوں خیال آیا کہ ان خطوط کو تاریخ کی امانت کی حیثیت سے منظر عام پر لے آیا جائے! —— اسرار احمد

۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

بخدمت گرامی مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تقریباً ایک ماہ قبل آپ سے کئی سال بعد شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ آپ نے جس خوشدلی اور خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا اس کا دل پر بہت اثر ہوا۔ مزید برآں اس پیرانہ سالی میں' جسمانی نقاہت اور سماعت و بصارت میں قدرے کمی کے باوصف' آپ کی ذہنی وفکری استعداد کے حیرت انگیز حد تک برقرار رہنے سے بہت خوشی بھی ہوئی۔

ع ''کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ'' کے مصداق آپ کے طرزِ عمل سے ہمت پا کر چند باتیں عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میں یہ عریضہ فوراً ہی تحریر کر دیتا لیکن بعض حوادث کی بنا پر تاخیر ہو گئی۔ یعنی اولاً تو آپ کے یہاں سے واپسی پر میری گاڑی حادثے کا شکار ہو گئی تھی جس میں گاڑی کو تو بہت نقصان پہنچا' البتہ الحمدللہ جسم اور جانیں محفوظ رہیں' سوائے اس کے کہ

میرے بائیں شانے میں کھچاؤ پیدا ہو گیا، جو پہلے تو بہت شدید رہا، اب تدریجاً کم ہو رہا ہے۔ ثانیاً اس کے بعد میں ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا ہو گیا، جس سے اب بھی پوری طرح چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ تاہم چونکہ ۲۸/ اگست کو مجھے امریکہ روانہ ہو جانا ہے لہٰذا میں، جیسے بھی بن آ رہا ہے، یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔

اپنی گزارشات سے قبل ایک بات کا تذکرہ اس لیے کر رہا ہوں کہ مبادا آپ بھول گئے ہوں۔ چند سال قبل ایک طویل تعطل کے بعد جب میری آپ کے یہاں حاضری کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تھا تو میں کچھ عرصے تک مسلسل ہر ماہ حاضری دیتا رہا تھا، تا آنکہ خود آپ کی جانب سے اس پر اظہار ناپسندیدگی ہوا۔ اس سے کئی سال قبل بھی جب آپ ابھی خانقاہ ڈوگراں ہی میں مقیم تھے، میں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ میرے اور آپ کے مابین واقعی نظریاتی اختلاف اور کچھ بعض حاسدوں اور شرپسندوں کے ''شر'' کے باعث آپ کے مزاج میں میری جانب کسی قدر خشونت پیدا ہو گئی ہے تو خانقاہ ڈوگراں ہی کی ایک ملاقات میں، مَیں نے عرض کیا تھا کہ ''مولانا! آپ کا اختلاف اپنی جگہ، برحق بھی بجا، لیکن آپ میرے لیے اپنے دروازے بند نہ کریں!'' جس پر آپ نے نہایت گہرے تأثر کے ساتھ فرمایا تھا کہ ''اس کا ہرگز کوئی امکان نہیں ہے، آپ کے لیے میرے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے!''

میری گزارشات میں سے اوّلین اور اہم ترین یہ ہے کہ آپ خدارا ''حدِّ زنا'' کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں۔ میں اس مسئلے پر کسی فنی بحث کا ہرگز اہل نہیں، اور خاص طور پر آپ کے سامنے زبان کھولنے کی تو کبھی جرأت ہی نہیں کر سکتا، لیکن میری درخواست صرف یہ ہے کہ اُمت کے چودہ سو سالہ ''اجماع'' کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے اور رجحان کو قربان کر دیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو میں اِن شاء اللہ آپ کی بعض دوسری آراء سے اختلاف کے علی الرغم آپ کا تازیست (اگرچہ اب میں خود اپنے آپ کو بھی عالمِ دنیا کے مقابلے میں عالمِ آخرت کے قریب تر محسوس کرتا ہوں) آپ کا بندۂ بے دام بنے رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں اس وقت بلاتشبیہہ آنحضور ﷺ کے اُن الفاظ کا حوالہ دینے کی بھی جسارت کر رہا ہوں جو آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے عندالوفات کہے تھے!

اس ضمن میں نہایت ادب کے ساتھ مزید یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ رجم سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ اس میں ''قرآن'' سے مراد ''تورات'' ہے، اس لیے کہ اس کی جانب اشارہ سورۂ سبا کی آیت ۳۱ کے الفاظ مبارکہ:

﴿لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾(الآیة) میں بھی موجود ہے' اور اس کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ ایک دوسری روایت کی رو سے حضرت عمرؓ نے آنحضورﷺ کے سامنے تورات کی کسی عبارت کو دلیل کے طور پر پیش کیا تھا جس پر آنحضورﷺ ناراض ہوئے تھے۔ ثالثاً اس سے اس امر کی بھی توجیہہ ہو جاتی ہے کہ حدیث عمرؓ میں وارد الفاظ عربیت کے لحاظ سے نہایت بھونڈے ہیں' اس لیے کہ یہ اصلاً تورات کا ترجمہ تھے جو کسی نااہل شخص نے کیا تھا۔ واللہ اعلم!

میری اس گزارش کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اگرچہ آخرت کے معاملے کا تو پورا دار و مدار ''نیتوں'' پر ہے' لیکن دنیا میں آپ کا یہ ''شذوذ'' لوگوں اور فراہی مکتب فکر اور بالخصوص آپ کے طریق تدبر قرآن کے مابین حجاب بن گیا ہے۔ واللہ اعلم!

دوسری گزارش میری یہ ہے کہ آپ جس طرح بھی بن آئے اپنی شاہکار تالیف ''دعوتِ دین اور اس کا طریق کار'' کو لفظاً لفظاً نظر سے گزار جائیے یا پڑھوا کر سن لیجیے اور جہاں کہیں بھی نصف صدی سے زائد عرصے کے دوران اپنے ذہنی و فکری ارتقاء یا رائے کی تبدیلی کے باعث کسی ترمیم کی ضرورت محسوس کریں صرف اس کو قلمبند کر دیں یا املاء کرا دیں۔ آپ کو تو شاید یاد نہ ہو اب سے لگ بھگ پچیس سال قبل حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مولانا اصلاحی اپنی اس کتاب کے بہت سے مباحث سے ''رجوع'' کر چکے ہیں۔ لیکن جب میں نے آپ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا تھا: ''معاذ اللہ! میں نے یہ کتاب قرآن حکیم کی محکمات کی اساس پر لکھی ہے' اس کی کسی بات سے میں کیسے رجوع کر سکتا ہوں!'' ...... آج کل پھر کئی سال سے جاوید احمد غامدی صاحب اپنے حلقے میں اس رائے کا اظہار کر رہے ہیں کہ آپ کے بعض مباحث و آراء سے انہیں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی تالیف ہی کی اساس پر اپنی کتاب تصنیف فرمائی ہے جس میں اکثر و بیشتر حوالے تو آپ ہی کے ہیں' میرا گمان تو یہ تھا کہ انہوں نے یہ احتیاط کی ہے کہ آپ کی جن باتوں سے انہیں اختلاف ہے انہیں انہوں نے حذف کر دیا ہے اور اس طرح گویا صرفِ نظر اور غضِ بصر پر اکتفاء کی ہے' لیکن بعض احباب جنہوں نے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے' یہ رائے رکھتے ہیں کہ اوّلاً انہوں نے آپ کے بعض خیالات کی آپ کے ذکر کے بغیر واضح نفی کی ہے اور ثانیاً کتاب کی اٹھان ایسی رکھی ہے کہ عام قاری جس نے آپ کی تالیف کا دِقتِ نظر سے مطالعہ نہ کیا ہو ان کے ان

نظریات کو آپ کی جانب سے منسوب کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم! بہرحال آپ کی زندگی کے اس آخری دور کے نظریات کے ضمن میں آپ کی یہ تھوڑی سی کاوش اِن شاءاللہ بعد کے لوگوں کے لیے بہت بڑی رہنمائی اور عظیم صدقۂ جاریہ کی صورت اختیار کر لے گی۔ بصورتِ دیگر آپ کا فکر لوگوں کے لیے چیستاں بن جائے گا۔

اس ضمن میں ایک اعتراف و اطلاع بھی! میں نے کچھ عرصہ قبل اپنے کتابچے ''راہِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں'' کے نئے اور مجلد ایڈیشن کے آغاز میں ایک مقدمہ تحریر کیا تھا جس میں خاصی درشتی کے انداز میں خود آپ پر بھی یہی گرفت کی ہے کہ آپ نے ''تدبر قرآن'' میں سورۃ العصر کی تفسیر کے ضمن میں اکثر و بیشتر تو مولانا فراہیؒ کے اقتباسات دیے ہیں لیکن غالباً بعض وقتی اثرات کے تحت ان کی ایک مستقل فصل ''تواصی سے قیامِ خلافت کا وجوب'' سے صرفِ نظر کر لیا ہے! حالانکہ ''دعوتِ دین اور اس کا طریق کار'' کے اہم ترین باب ''تبلیغ کس لیے'' کی پوری بحث کا نقطۂ عروج ہی نظامِ خلافت کے قیام کا وجوب ہے!☆ میں اپنی وہ کتاب بھی اس عریضے کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنی روایتی فراخدلی سے کام لیتے ہوئے میری اس گستاخی پر بھی عفو و درگزر سے کام لیں گے: ﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾﴾ (التغابن)

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں' ۲۸/اگست ۱۹۹۵ء کو بیرون ملک روانہ ہو رہا ہوں۔ پروگرام تو وسط اکتوبر میں واپس آنے کا ہے' لیکن مستقبل کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ کیا پتا یہ ''نصفِ ملاقات'' بھی آخری ہو۔ اگر واپس آ گیا تو اِن شاءاللہ پہلی فرصت میں حاضر خدمت ہوں گا' الّا یہ کہ آپ ہی کی جانب سے دوبارہ NO ADMISSION کا حکم صادر ہو جائے۔ (بلکہ میں تو ان دنوں بھی علالت کے باوصف حاضر ہونا چاہتا تھا' لیکن ہمارے ''ندائے خلافت'' کے نوآموز کارکنوں نے میری آپ سے ملاقات کی خبر شائع کر دی —— اور ستم بالائے ستم یہ کہ میرے نام کے ساتھ ''مدظلہ'' جڑ دیا' جو اصلاً آپ کے نام کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ بنابریں میں محجوب ہو گیا۔) تاہم ''ندائے خلافت'' ہی میں آپ کی گفتگو کا حوالہ میرے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ چنانچہ اس عریضے کی تحریر کی ''جرأت'' میں بھی اس کو کسی قدر دخل حاصل ہے!

فقط والسلام مع الاکرام

☆ ''تدبر قرآن'' میں تفسیر سورۃ العصر کل ۲۱۰ سطروں پر محیط ہے اور ان میں ۱۴۰ سطریں مولانا فراہیؒ کی تفسیر کے اقتباسات پر مشتمل ہیں۔

(۲)

۳۶۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور

۱۹/ نومبر ۱۹۹۵ء

مخدومی مولانا! دام ظلکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اب سے لگ بھگ تین ہفتے قبل شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی معیت میں آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی تھی تو ہم دونوں نے محسوس کیا تھا کہ آپ پر (کم از کم اس وقت) نقاہت کا شدید اثر ہے‘ بنابریں گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لیے ہم تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اور آپ کی مزاج پرسی ہی پر اکتفا کرتے ہوئے واپسی کے لیے اٹھنے لگے تھے‘ لیکن اچانک آپ نے سوال کر لیا کہ ’’آپ لوگوں کے آنے کا مقصد کیا تھا؟‘‘ لیکن چونکہ اس وقت میں ایک دوسری مصروفیت کے باعث مزید زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا‘ لہٰذا میں نے سکوت ہی مناسب سمجھا۔ خیال تھا کہ چونکہ اس وقت بھی آپ سے برادرم نعمان صاحب تحریراً ہی گفتگو کر رہے تھے‘ لہٰذا میں بھی آپ کے سوال کا جواب تحریراً ہی ارسال کر دوں گا۔ تاہم اس میں مصروفیات کے باعث تأخیر ہوگئی۔

اب گزارش ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری کا اہم ترین سبب تو آپ سے نیاز مندی اور احسان مندی کا اظہار ہے جسے میں جاری رکھنا چاہتا ہوں اور ع ’’خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو!‘‘ کے مصداق حاضری دیتے رہنا چاہتا ہوں‘ اِلاّ یہ کہ آپ گرانی محسوس کریں! اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو آپ برادرم نعمان صاحب کے ذریعے مطلع فرما دیں!

ویسے اس روز میں اپنی ان گزارشات کا جواب بھی چاہتا تھا جو میں نے اپنے گزشتہ عریضے کے ذریعے پیش خدمت کی تھیں۔ بعد میں مجھے ان کا جواب نعمان صاحب سے مل گیا —— یعنی یہ کہ (i) آپ ’’رجم‘‘ کے بارے میں اپنی رائے پر جازم ہیں‘ اور (ii) اسی طرح ’’دعوتِ دین اور اس کا طریق کار‘‘ میں درج جملہ نظریات و آراء پر بھی قائم ہیں —— پہلی بات کے ضمن میں تو ع ’’اِک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے!‘‘ کے مصداق آپ سے بھی

گزارش ہے کہ نظرِ ثانی فرمائیں اور اللہ سے بھی دعا ہے کہ آپ کے ذہن اور قلب کو پھیر دے' تاہم آئندہ آپ سے تو دوبارہ کچھ عرض نہیں کروں گا ـــــ البتہ اللہ تعالیٰ سے دعا جاری رہے گی ـــــ رہی دوسری بات تو اس پر خوشی بھی ہوئی اور اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔ اتنی سی ''خواہش'' مزید ہے کہ اس بات کو برادرم نعمان صاحب کو املا کرا دیں تو بہت ممنون ہوں گا۔

باقی آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟'' تو میں اسے آنحضور ﷺ کے ان الفاظ مبارکہ پر محمول کرتے ہوئے جو آپؐ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمائے تھے کہ: ((اِن شئتَ حدّثتُک یا مُعاذ براُس ھذا الامر و ذروۃ السّنام منه)) عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ میرے موجودہ کاموں اور خیالات سے آپ کس حد تک آگاہ ہیں' اور پچھلی باتیں بھی کتنی یاد رہ گئی ہیں' تاہم جو بھی معلومات آپ کے ذہن میں ہوں ان کی بنا پر جو ''نصائح'' بھی للہ و فی اللہ آپ مجھے کرنا چاہیں برادرم نعمان صاحب کو املا کرا دیں۔ میں بہت ممنون اور مشکور ہوں گا اور ان سے حتی الامکان استفادے کی کوشش کروں گا۔

فقط والسلام

دعا کا طالب

اسرار احمد عفی عنه

❁ ❁ ❁

1

؟؟

اسلام میں فرقہ بندی

کا ابتدائی اور تاریخی پس منظر

از قلم:

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

(ان کی تالیف ''خانوادۂ نبویؐ اور عہد بنی امیہ'' سے ماخوذ)

اسلامی تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام میں مختلف ختم شدہ اور موجودہ فرقے سیاست کی بنیاد پر وجود میں آئے' جن کی تفصیلات امام ابوالحسن الاشعری کی کتاب ''**مقالات الاسلامیین واختلاف المصلیین**'' عبدالقاہر بغدادی (وفات ۴۲۹ھ) کی کتاب ''**الفرق بین الفرق**'' شہرستانی (وفات ۵۳۸ھ) کی کتاب ''**الملل والنحل**'' اور ابن حزم (وفات ۴۵۶ھ) کی کتاب ''**الفصل فی الملل والنحل**'' وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس پر موجود ومطبوع قدیم ترین اور جامع ترین کتاب امام ابوالحسن الاشعری (وفات ۳۲۴ھ) کی مذکورہ کتاب ہے' جس میں پہلے انہوں نے شیعہ' خوارج' مرجئہ' معتزلہ' الجہمیہ' الکلابیہ وغیرہ دس امہات الفرق گنائے ہیں' پھر ان کے فروعی فرقے در فرقے' جن کی تعداد اور کثرت آج ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔ صرف شیعوں کے تین بڑے فرقوں' غالیہ' امامیہ (اثنا عشریہ) اور زیدیہ کے انہوں نے چھیالیس فروعی فرقے گنائے ہیں' اور پھر ان میں سے ایک فرقے غالیہ کے پندرہ فرقے' امامیہ کے پچیس فرقے اور زیدیہ کے چھ فرقے۔ اسی طرح خوارج کے چار اہم فرقے' ازارقہ' صفریہ' نجدیہ اور اباضیہ اور ان سے متفرع فرقے' جن کی کل تعداد تینتیس (۳۳) تھی' اور اسی طرح مرجئہ جن کے مختلف فرقوں کی تعداد ۲۱ لکھی ہے۔ معتزلہ' جہمیہ' کلابیہ فرقے اتنے زیادہ فروعی فرقوں میں نہیں بٹے۔

امام اشعری نے مختلف افراد کے ناموں سے قائم ہونے والے ان فروعی فرقوں کے مختلف مسائل میں اقوال لکھے ہیں' اور امہات فرق کے بنیادی افکار کی تشریح بھی ساتھ ہی کردی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اموی اور اوّلین عباسی عہد سے لے کر امام اشعری کے عہد یعنی ۳۳۰ھ تک اور خاص طور پر عباسی عہد میں فکری آزادی وانتشار کا کیا عالم تھا۔ آج ہم ان فرقوں کا نام صرف کتابوں ہی میں پڑھتے ہیں' بحمد اللہ مرورِ زمانہ سے ان میں سے کثیر تعداد ختم ہو چکی ہے۔ شیعوں میں صرف امامیہ (اثنا عشریہ) اسماعیلیہ اور ان کے چار ذیلی فرقے آغاخانیہ و بوہری' لبنان و شام میں نُصیری و دروز ہیں اور خوارج عمان' الجزائر اور لیبیا میں باقی رہ گئے ہیں۔ نئے سیاسی یا مذہبی فرقے جیسے اشتراکی' شیوعی' بعثی' بریلوی' دیوبندی' وہابی (اہل حدیث) وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن ان سب قدیمی فرقوں سے قطع نظر ہمیشہ سے جمہور مسلمین اہل سنت والجماعت (سُنّی) رہے' جو آج بھی اُمت مسلمہ کا ۹۵ فیصد حصہ ہیں اور بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث سُنّی ہی ہیں۔ مجھے اس وقت صرف تین قدیم فرقوں کا ذکر مقصود ہے۔

جہاں تک قدیم اُمہاتِ فرق' شیعہ' خوارج' معتزلہ' مرجئہ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد فتنۂ کبریٰ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پڑی۔ اُس وقت اساسی طور پر پہلا فرقہ شیعہ یا شیعانِ علیؓ تھے اور دوسرا شیعۂ عثمانؓ (شیعانِ عثمانؓ)' جو عثمانیہ بھی کہلاتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو شیعۂ عثمانؓ کے نام پر تعجب ہوگا' کیونکہ اب لفظ شیعہ کا اطلاق صرف ایک ہی بڑے فرقے پر ہوتا ہے' جو حضرت علیؓ ہی کو اپنا اوّلین امام' خلافت کا مستحق اور دیگر صحابۂ کبار سے افضل اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی مانتے ہیں' جب کہ شیعۂ عثمانؓ وہ تھے جو ان کی شہادت کے بعد قاتلانِ عثمانؓ سے انتقام کے درپے ہوئے اور انہوں نے جمہور مسلمین کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور نہ ان کو خلیفہ تسلیم کیا۔ اس گروہ کی قیادت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اموی وشامی مؤیدین نے کی۔ عربی زبان میں شیعی کے معنیٰ طرف دار ومتبع (Follower) کے ہیں' شیعہ اس لفظ کی جمع ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ کے مؤیدین شیعانِ علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے مؤیدین (ان کے قتل کے بعد) شیعانِ عثمان کہلائے۔ مرورِ زمانہ اور اموی خلافت کے زوال کے بعد شیعانِ عثمان یا عثمانیہ تو ختم ہو گئے اور شیعانِ علیؓ اب صرف شیعہ کہلاتے ہیں اور آج تک یہی صورت ہے۔

پھر یہ شیعانِ علیؓ جو بنیادی طور پر ایک بڑی سیاسی جماعت تھی اور جو حضرت معاویہؓ کے بعد اُموی خلافت سے مختلف اوقات میں کچھ عرصہ برسر پیکار رہی' اور بعد کو علویوں کے نام سے عباسی خلافت کے خلاف سیاسی و عسکری تحریکات میں مشغول رہی' رفتہ رفتہ ایک مذہبی فرقے میں تبدیل ہوگئی اور آج تک یہی صورت حال ہے۔

جہاں تک خوارج کا تعلق ہے تو یہ وہ لوگ تھے جو جنگِ صفین (مابین حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ) میں حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افواج کی جنگ میں کامیابی سے قریب ہونے کے عین وقت حضرت معاویہؓ کے لشکریوں کی طرف سے نیزوں پر قرآن اٹھانے اور یہ ندا بلند کرنے پر کہ ہم آپس میں قرآن کو فیصلہ کن بنانا چاہتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو' ان کی فہمائش کے باوجود' مجبور کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ہم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس پیشکش کو قبول کر لینا چاہیے' اور ان لوگوں نے اس وقت اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کر کے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا۔

پھر جنگ رکنے کے فوراً بعد تحکیم کا قصہ پیش آیا۔ اس موقع پر بھی اس سرکش گروہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرضی کے خلاف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو ''تحکیم'' (Arbitration) کے لیے اپنا نمائندہ چنا' پھر اس تحکیم میں ابوموسیٰ الاشعریؓ اور عمروؓ بن العاص (نمائندہ حضرت معاویہؓ) کے مابین جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں معروف ہے۔ اب یہی گروہ اس تحکیم کے نتیجہ کے خلاف ہوگیا اور اس نے ''**لا حکم الّا للّٰہ**'' (اللہ کے فیصلے کے سوا کسی کا فیصلہ تسلیم نہیں) کا نعرہ بلند کیا' اس لیے وہ اپنے پہلے اور اس دوسرے اقدام کے باعث ''محکّمہ'' کہلائے' اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عسکری کیمپ چھوڑ کر عراق میں ''حروراء'' کے مقام پر چلے گئے' اس لیے خوارج یا خارجی اور حروریہ بھی کہلائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان سرکش اور باغی ساتھیوں کا معاملہ اسلامی تاریخ میں بہت عجیب ہے۔ تحکیم کا مسئلہ اور اس میں جو کچھ پیش آیا وہ بھی ایک عقدۂ لاینحل ہے۔ مؤرخین نے اس کا جو تجزیہ کیا ہے' وہ یہ ہے کہ یہ گروہ جو حضرت علیؓ کو اس مصیبت کے وقت میں چھوڑ کر چلا گیا بلکہ اس نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کی تکفیر کی' وہ درحقیقت بنی تمیم کے اُن سرکش بدوؤں میں سے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یمامہ (نجد) میں مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن الولید کی قیادت میں بڑی جانی قربانی کے بعد ان کو زیر کیا' اور

پھر بعد کو اس جنگجو قبیلے کی بڑی تعداد کو اپنے مرکز سے ہٹانے اور باطل کے لیے ان کی خوئے پیکار کو حق کی طرف موڑنے کے لیے ان کو ان جہادی معارک میں بھیج دیا جو ایرانی شہنشاہیت کے خلاف جنوبی عراق میں برپا ہوئے۔ اس جنگجو قبیلے نے صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کی قیادت میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ معرکہٴ قادسیہ میں ایرانیوں کے خلاف کامیابی کے بعد حضرت عمرؓ نے کوفہ و بصرہ کی فوجی چھاؤنیاں سن ۱۶ھ اور ۱۸ھ کے مابین قائم کیں، وہاں بنی تمیم اور ان کے حلیف دیگر قبائل کو آباد کر دیا گیا۔ یہ دونوں چھاؤنیاں رفتہ رفتہ اچھے خاصے شہر بن گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے ایران میں جہادی معارک میں بہادری کے بڑے جوہر دکھائے، لیکن ان کی قدیم خوئے سرکشی نہیں گئی۔ ان کو حضرت عمرؓ جیسا سخت گیر خلیفہ ہی قابو میں رکھ سکتا تھا۔ فاتح عراق اور والیٔ کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور بعد کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھی انہی سرکشوں اور مصر میں مقیم بعض عرب قبیلوں نے فتنہ کھڑا کیا اور مدینہ پر چڑھ آئے۔ حضرت علیؓ نے بیچ میں پڑ کر بڑی حکمت و دانائی سے بغیر کسی خون خرابے کے ان کو مدینہ سے واپس کیا، لیکن فوراً بعد ہی حضرت عثمانؓ کے معتمد علیہ (سیکریٹری) اور قرابت دار مروان بن الحکم نے اپنے غلط منتقمانہ خط کے ذریعے معاملہ خراب کر دیا، تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اور اس اقدام کے نتیجے میں یہ باغی پھر راستے سے مدینہ منورہ واپس آ گئے، اور اب انہوں نے حضرت عثمانؓ کا خون بہا کر ہی دم لیا۔ اس وقت مدینہ کے حالات انتہائی خطرناک، الم انگیز اور بے قابو تھے۔ ابتری کے اس نازک لمحے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت روبہ عمل آئی اور اہل مدینہ و مکہ اور کبارِ صحابہؓ نے ان کی خلافت کو تسلیم کیا، لیکن اس سے قبل کہ حضرت علیؓ پورے طور پر حالات پر قابو پا سکیں اور بگڑے ہوئے حالات کو سدھاریں، شامیوں کی قیادت میں حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور پھر جنگ جمل و جنگ صفین یکے بعد دیگرے برپا ہوئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں کا ایک دروازہ کھل گیا تھا۔ یہ اسلامی تاریخ کا افسوسناک باب ہے۔ اس میں بعض شخصیات کے ذاتی مفادات اور قدیم قبائلی و خاندانی بغض و عداوت کو بھی دخل تھا، اس کے محاکے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔

بہرحال یہی وہ قدیم یمامہ کے تمیمی تھے جو اب کوفی کہلائے جاتے تھے، اور جو حضرت علیؓ کو جنگ صفین میں عین کامیابی کے وقت تنگ کر کے اور پھر چھوڑ کر حروراء چلے گئے تھے، اور اب

حضرت علیؓ سے لڑنے کے لیے تیاری کرنے لگے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان سرکش باغیوں (خارجیوں) کو معرکۂ نہروان میں بالآخر سخت لڑائی کے بعد زیر کیا اور حضورﷺ کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ جوان کو زیر کرے گا وہ ''ادنی الطائفتین الی الحق'' (دو گروہوں میں سے حق سے قریب تر ہوگا)۔ اسی بنا پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ذہبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ جیسے قدیم سُنّی محدثین ومؤرخین نے حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے حق پر ہونے کا فیصلہ دیا ہے، جو فتاویٰ ابن تیمیہ، تاریخ الاسلام ذہبی اور ابن کثیر کی البدایة والنہایة میں مذکور ہے۔

اس طرح یہ خارجی فرقہ یا خوارج بھی سیاست کی پیداوار تھے، اور چونکہ انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ حضرت عثمانؓ اپنے آخری چھ سالہ دورِ خلافت میں کافر ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ نتیجۂ تحکیم قبول کر کے کافر ہو گئے، اس طرح وہ ایک مذہبی فرقے میں تبدیل ہو گئے، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک کافر ہے، یہ انہی کا عقیدہ ہے۔ پھر بالآخر یہی خارجی حضرت علیؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ خارجیوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بقیہ مؤیدین وطرفداروں (شیعہ) نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ بلکہ دیگر خلفائے راشدین تک کو کافر کہنا شروع کر دیا، اور معرکۂ کربلا میں سیدنا حسینؓ کے یزید بن معاویہؓ کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد اس میں اور شدت آ گئی۔ نظریۂ امامت اُن کے یہاں ایک مذہبی عقیدہ بن گیا، اور تقیہ اور ''ولایت'' کے مسائل پیدا ہو گئے، اور شرعی احکام کتاب وسنت اور اجتہاد کے بجائے بارہ یا سات اماموں، یا ''حاضر امام'' (آغا خانیوں کے مذہبی لیڈر) کے اقوال سے اخذ کیے جانے لگے۔ شروع کی تین صدیوں کے شیعہ اس قدر متعصب اور بدکلام نہ تھے جیسا بعد میں ہوا، وہ صحابہؓ پر تبرّا بھی نہیں کرتے تھے۔ تیسری و چوتھی صدی ہجری کے شیعہ مؤرخین یعقوبی اور مسعودی وغیرہ خلفائے ثلاثہ کے کارنامے بیان کرتے ہیں اور ان کی کوئی برائی نہیں کرتے، وہ صرف حضرت علیؓ سے زیادہ محبت کا اظہار کرتے اور اُن کے اوصاف زیادہ بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی اپنی عظیم ترین شرح فتح الباری کے مقدمے میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے شیعہ راویوں سے حدیثیں نقل کی ہیں، البتہ رافضیوں سے نہیں، جو صحابہ پر تبرّا کرتے تھے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ قدیم مؤرخین جو بلاشبہ شیعہ ہیں اور شیعی اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے، حضورﷺ کی حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار بیٹیاں زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن بتاتے ہیں۔ لیکن عرصۂ دراز یعنی تیس سال بعد میں پاکستان میں مستقل

واپس آ کر اقامت گزیں ہوا تو سن ۱۹۸۹ء میں یہاں کے کثیر الاشاعت قومی اخبار ''جنگ'' میں ایک شیعی پروفیسر علی رضا نقوی صاحب کا مضمون پڑھا کہ انہوں نے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر لکھا اور باقی تین کے بارے میں لکھا کہ وہ حضرت خدیجہؓ کی بیٹیاں ان کے پہلے شوہر سے تھیں۔ مجھے سخت حیرت اور افسوس ہوا' کیونکہ قدیم کتب الانساب (نسب نامے) جیسے **جمهرة الانساب ابن حزم** اور شیعہ مؤرخین یعقوبی و مسعودی وغیرہ کی تواریخ میں صراحتاً آیا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی صاحبزادیاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں' اور یہی ان سے قبل ابن سعد (وفات ۲۳۰ھ) نے طبقاتِ کبریٰ میں (حضرت خدیجہؓ کے سوانح حیات' جلد ۸) میں لکھا ہے۔

جہاں تک حضرت خدیجہؓ کی دوسری اولاد کا تعلق ہے جو ان کے پہلے شوہر ابو ہالہ سے تھی تو وہ ان کے ایک صاحبزادے ہالہ اور دوسرے ہند تھے' اور اسی ابو ہالہ کے بعد ایک دوسرے شوہر عتیق سے ایک صاحبزادی تھیں۔ ان کا نام بھی ہند تھا (عربوں میں یہ نام عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا تھا)۔ ابن سعد نے ان ہند بنت خدیجہؓ کی شادی اور اولاد کا بھی ذکر کیا ہے جو بنو طاہرہ (لقب سیدہ خدیجہؓ) کہلاتے تھے اور پھر ختم ہو گئے' حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادے ہالہؓ سے شمائل ترمذی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل میں ایک طویل حدیث بھی ہے۔

بہرحال میں نے ان شیعی پروفیسر نقوی صاحب کے مضمون کے خلاف ایک مختصر نوٹ لکھا اور خود جا کر ''جنگ'' کے ذمہ دار کو دیا' تو انہوں نے وعدے کے باوجود نہیں چھاپا۔ استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کو اس فرقہ کے تشدد پسند افراد کی طرف سے اخبار کے دفتر پر ہلڑ بازی کا خطرہ ہے' اس لیے وہ معذور ہیں۔ یہ بے نظیر کی حکومت کا زمانہ تھا' مجھے بڑا تعجب اور افسوس ہوا۔

شیعہ اور خوارج کی طرف سے ایک دوسرے کے ائمہ و زعماء کے خلاف کفر کے الزامات واتہامات کے ماحول میں حضرت حسن بصریؒ کے شاگردوں میں سے دو یعنی واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید نے ایک نئی راہ اختیار کی کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ کافر ہے نہ مؤمن بلکہ وہ ایک درمیانی درجے ''**المنزلة بين المنزلتين**'' میں ہے۔ یہ لوگ معتزلہ کہلائے۔ یاد رہے کہ یہ بات حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جنگ میں شرکاء کے بارے میں پیدا ہوئی' اور پھر ان قاتلین و مقتولین کے بارے میں باتیں ہونے لگیں کہ ان میں کس سے گناہ کبیرہ یعنی قتل

مؤمن کا ارتکاب ہوا' اوراس طرح یہ سیاسی مسئلہ ایک مذہبی وعقائدی مسئلہ بن گیا۔ پھراس کے بعد معتزلہ کے دوسرے یا بقیہ اصولِ خمسہ (پانچ اصول) مرتب ہوئے' یعنی توحید' عدل الٰہی' وعدووعیداورامر بالمعروف ونہی عن المنکر' لیکن بنیاداسی بے کار کے مسئلہ سے ہوئی تھی کہ جنگ جمل و جنگ صفین یا قاتلانِ عثمانؓ وقاتلانِ علیؓ میں کون کس کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوکر کافر ہوا۔ لیکن معتزلہ' خوارج و شیعہ کی طرح سیاسی وعسکری تحریکات یا بغاوتوں سے دُور رہے۔

اسی دوران ایک چوتھا فرقہ اسی موضوع پراور پیدا ہوا' جنہوں نے کہا کہ ان بزرگوں کے مسئلہ کو ہم ملتوی کرتے اور اللہ پر چھوڑتے ہیں' وہی آخرت میں فیصلہ فرمائے گا کہ ان میں سے کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ انہوں نے اسی مسئلہ سے ایک عقائدی مسئلہ خوارج کے بالکل برعکس بنایا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافرنہیں ہوتا ہے' بلکہ یہ کہا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت کوئی نقصان دہ نہیں۔

ان سب کے برخلاف جمہور اہل سنت والجماعت نے' جنگ جمل و جنگ صفین کے دونوں فریقین کے بارے میں زبان نہیں کھولی' دونوں کا احترام کیا' سب خلفائے راشدین اور ان کے بعد خلفائے بنی امیہ کی اطاعت کو فتنوں سے بچنے کے لیے اپنا شعار بنایا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ نے چالیس ہزار کی فوج اپنے ساتھ کوفہ میں ہوتے ہوئے' امیر معاویہؓ کے اپنی خلافت کے اصرار پر مزید خون ریزی سے بچنے کے لیے چھ ماہ بعد اپنے حق خلافت سے تنازل کیا اور وہ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس سال یعنی ۴۱ھ کو اس بنا پر **عام الجماعة الاوّل** کہا گیا' اگرچہ سیدنا حسنؓ کے متشدد متبعین یعنی شیعانِ علیؓ نے ان کے اس عمل پر ناراض ہوکر ان کو ''امیر الکافرین'' اور ''امیر المنافقین'' کے برے ناموں سے یاد کیا' بلکہ ان کے خیمہ کو جلا کر ان کو گزند تک پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ حقائق تمام کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

❁❁❁

مسلمان کا طرزِ حیات (۵۷)

مؤلف: علامہ ابوبکر جابر الجزائری
مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب المعاملات

پہلا باب

جہاد

① جہاد کا حکم' اَقسام اور حکمت

ا) جہاد کا حکم

خاص جہاد یعنی کفار اور حملہ آوروں سے جنگ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اگر بعض مسلمان یہ فرض ادا کر دیں تو باقی مسلمانوں سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾﴾ (التوبة)

''مؤمنوں کے لیے مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ تو کیوں نہ نکلا ہر جماعت میں سے ایک گروہ' تا کہ وہ (آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہ کر جہاد کے دوران بھی) دین کی سمجھ حاصل کرتے' تا کہ اپنی قوم کو (غلط کاموں سے) ڈرائیں جب واپس ان کے پاس آئیں' شاید کہ وہ ڈر جائیں۔''

لیکن جس شخص کو اسلامی حکمران بالتعیین حکم دے اس پر جہاد میں جانا فرضِ عین ہو جاتا ہے' کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا)) (۱)

''جب تمہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو۔''

اسی طرح جب دشمن کسی شہر پر حملہ کر دے تو وہاں کے رہنے والے سب افراد پر' حتیٰ کہ عورتوں پر بھی مقابلہ کرنا اور لڑائی کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

(ب) جہاد کی اقسام

(۱) کافروں اور حملہ آوروں سے جہاد: یہ ہاتھ سے بھی ہوتا ہے' مال سے بھی' زبان سے بھی اور دل سے بھی۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ))(۲)

''اپنے مالوں' جانوں اور زبانوں کے ساتھ مشرکوں سے جہاد کرو۔''

(۲) فاسقوں سے جہاد: یہ ہاتھ سے' زبان سے اور دل سے ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ))(۳)

''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے ختم کر دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے (منع کرے)' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (نفرت رکھے)۔ اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔''

(۳) شیطان سے جہاد: اس کا طریقہ یہ ہے کہ شیطان جو شبہات پیش کرتا ہے ان کو دل سے ہٹایا جائے اور جن گناہوں کو وہ خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے ان سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (الفاطر)

''اور وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾(فاطر:٦)

’’شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے‘ لہٰذا اسے دشمن سمجھو۔‘‘

(۴) نفس کے خلاف جہاد: اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو دین کے مسائل سیکھنے اور ان پر عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے‘ نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی سرکشی کا مقابلہ کیا جائے۔

نفس سے جہاد‘ جہاد کی سب سے عظیم قسم ہے‘ حتیٰ کہ اسے ’’جہادِ اکبر‘‘ (بڑا جہاد) بھی کہا گیا ہے۔(٤)

(ج) جہاد کی حکمت

جہاد کی تمام اقسام کی حکمت یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے‘ اور اسی ضمن میں ظلم اور برائی کو روکا جائے‘ جانوں اور مالوں کی حفاظت کی جائے‘ حق کا خیال رکھا جائے‘ انصاف قائم کیا جائے‘ بھلائی کو عام کیا جائے اور اچھی عادتیں معاشرے میں پھیلائی جائیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:۳۹)

’’اور ان سے جنگ کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سب کا سب دین اللہ کا ہو جائے۔‘‘

۲ جہاد کی فضیلت

جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت میں قرآن مجید کی بہت سی آیات اور صحیح احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے چند ایک آیات اور احادیث پیشِ خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾ (التوبة)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں‘ اس کے عوض ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں‘ پس (کافروں کو) قتل کرتے ہیں اور (خود) قتل ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے یہ پختہ وعدہ تورات‘ انجیل اور قرآن میں کیا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون وعدہ پورا کرنے والا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا تم

نے جوسودا کیا ہے‘ اس سودے کے ساتھ خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘

نیز ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصف)

’’اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے یقیناً محبت رکھتا ہے جو اُس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں۔‘‘

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾﴾

’’اے مؤمنو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں‘ اور ہمیشہ کی جنتوں میں اچھے گھروں میں بسائے گا۔ یہی عظیم کامیابی ہے‘‘۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے شہید ہو جانے والے مجاہدین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (آل عمران:۱۶۹‘۱۷۰)

’’اور آپ ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں‘ یہ نہ سمجھیں کہ مردہ ہیں‘ بلکہ وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں‘ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے اس پر خوش ہیں۔‘‘

جناب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ)) قَالُوْا : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : ((مُؤْمِنٌ فِيْ شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللّٰهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهٖ)) (٥)

''وہ مؤمن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے''۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا حضور! پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''(اس کے بعد سب سے افضل) وہ مؤمن ہے جو کسی گھاٹی میں اللہ کی نافرمانی اور اس کی ناراضگی سے ڈرتا رہتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے دور رکھتا ہے۔''

نیز ارشاد ہے:

((مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِهٖ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَتَوَكَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِهٖ بِاَنْ يَتَوَفَّاهُ اَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ اَوْ يَرْجِعَهٗ سَالِمًا مَعَ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ))(٦)

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ـــــ اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون جہاد کر رہا ہے ـــــ روزہ رکھنے والے اور قیام کرنے والے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے بارے میں یہ ذمہ لیا ہے کہ اگر اسے فوت کر لیا تو جنت میں داخل فرمائے گا' ورنہ ثواب یا غنیمت سمیت سلامتی سے (گھر) واپس لے جائے گا۔''

ایک شخص نے آنحضرتﷺ کی خدمت میں عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتائیے جو جہاد کے برابر ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے نہیں ملتا''۔ پھر فرمایا: ''کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ جب مجاہد (گھر سے) نکلے تو تُو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے اور قیام کرتا رہے' تھکے نہیں' اور روزہ کی حالت میں رہے' افطار نہ کرے؟'' اس نے عرض کیا: یہ کون کر سکتا ہے؟(٧)

اور آنحضرتﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ، اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ))(٨)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہو جاتا ہے۔ اور یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے۔ وہ قیامت کے دن آئے گا اور (اس کے زخم سے بہتے ہوئے خون کا) رنگ تو خون کا ہو گا اور خوشبو کستوری کی

ہوگی''۔

نیز فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ))[۹]

''جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس نے نہ جہاد کیا اور نہ اپنے دل میں جہاد کرنے کا سوچا' وہ نفاق کے ایک شعبے پر مرا۔''

نیز فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ لَا اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَطِیْبُ اَنْفُسُھُمْ اَنْ یَتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُھُمْ عَلَیْہِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّۃٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ' وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ))[۱۰]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مؤمنوں میں کچھ ایسے مرد نہ ہوتے جو مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے' اور میرے پاس ان کی سواری کے لیے کوئی جانور نہیں' (اگر یہ بات نہ ہوتی) تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے تو یہ بات پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں۔''

اور فرمایا:

((مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ))[۱۱]

''یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک بندے کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوں' پھر اسے آگ چھوجائے۔''

اور فرمایا:

((مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ یُحِبُّ اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَاَنَّ لَهُ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ غَیْرُ الشَّھِیْدِ فَاِنَّهُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَرْجِعَ فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَۃِ))[۱۲]

''جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اسے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور اسے دنیا کی ہر چیز (تمام دولت اور نعمتیں اور عیش و عشرت) حاصل ہو' مگر شہید یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ (دنیا میں) واپس جائے اور شہید ہو' اور دس بار اسی طرح ہو' کیونکہ وہ (جنت میں اس قدر) اپنی عزت افزائی دیکھتا ہے۔''

③ سرحدوں کی حفاظت' اس کا حکم اور فضیلت

(۱) تعریف: ''رباط'' کا مطلب ہے ''اسلامی لشکر کا اسلحہ اور جنگی سامان کے ساتھ خطرے کی جگہوں پر اور اُن سرحدی مقامات پر ٹھہرے رہنا جہاں سے دشمن داخل ہو کر مسلمانوں پر یا اسلامی سرزمین پر حملہ آور ہو سکتا ہے''۔

(۲) اس کا حکم: جہاد (قتال) کی طرح رباط بھی واجب کفایہ ہے۔ اگر بعض افراد یہ عمل انجام دیں تو دوسروں پر واجب نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾﴾ (آل عمران)

''اے مؤمنو! صبر کرو' ایک دوسرے کو صبر (اور ثابت قدمی) کی تلقین کرو' اور جہاد کے لیے تیار رہو' اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

(۳) رباط کی فضیلت: محاذ پر ٹھہرنا سب سے افضل اعمال اور اللہ کا قرب بخشنے والے عظیم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ اس کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا))[۱۳]

''اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد پر ٹھہرنا دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس تمام (مال و دولت' سونا چاندی وغیرہ) سے بہتر ہے۔''

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((كُلُّ الْمَيِّتِ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهِ اِلَّا الْمُرَابِطَ' فَاِنَّهُ يَنْمُوْ لَهُ عَمَلُهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤَمَّنُ مِنْ فُتَّانِ الْقَبْرِ))[۱٤]

''ہر میت کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے' مگر مُرابط (سرحد پر یا محاذ پر جہاد کے لیے تیار

مجاہد) کا عمل قیامت تک بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسے قبر میں آزمانے والے سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔''

قبر میں آزمانے والے سے مراد منکر اور نکیر ہے۔ اس کے علاوہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((حَرَسُ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ لَيْلَةٍ يُقَامُ لَيْلُهَا وَيُصَامُ نَهَارُهَا))(١٥)

''اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا ہزار راتوں سے بہتر ہے، جن میں رات کے وقت قیام کیا جائے اور دن کے وقت روزہ رکھا جائے۔''

اور فرمانِ نبویؐ ہے:

((حُرِّمَتِ النَّارُ عَلٰى عَيْنٍ سَهِرَتْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))(١٦)

''اس آنکھ پر (جہنم کی) آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں رات کو جاگتی رہی۔''

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ حَرَسَ مِنْ وَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مُتَطَوِّعًا لاَ يَاْخُذُهٗ سُلْطَانٌ لَمْ يَرَ النَّارَ بِعَيْنَيْهِ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ))(١٧)

''جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں رضاکارانہ مسلمانوں کے پیچھے (سرحد پر) رہ کر پہرہ دیتا ہے وہ جہنم کو آنکھوں سے دیکھے گا بھی نہیں، مگر صرف قسم پوری کرنے کے لیے۔''

ایک بار نبی ﷺ نے جناب انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت لشکر گاہ کا پہرہ دینے کا حکم دیا۔ صبح وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ؟)) قَالَ : لَا اِلَّا مُصَلِّيًا اَوْ قَاضِيًا حَاجَةً، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((قَدْ اَوْجَبْتَ فَلَا عَلَيْكَ اَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا))(١٨)

''کیا تو آج رات (گھوڑے سے) اترا بھی تھا؟'' انہوں نے عرض کیا: ''نماز اور قضائے حاجت کے لیے اترنے کے سوا بالکل نہیں اترا''۔ تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم نے (جنت) واجب کر لی، اس کے بعد تم اور کوئی عمل بھی نہ کرو تو کوئی بات نہیں (نجات کے لیے آج رات کا عمل کافی ہے)۔''

۴ جہاد کی تیاری کرنا واجب ہے

جہاد کی تیاری کا مطلب اس کے لیے اسباب مہیا کرنا اور ہر قسم کے جنگی ساز وسامان کا

حصول ہے۔ یہ کام بھی جہاد ہی کی طرح فرض ہے' لیکن یہ جہاد سے پہلے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال: ٦٠)

''تم ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے جتنی ہو سکے قوت اور گھوڑے باندھنے کے ساتھ تیاری کرو' تاکہ اس طرح اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو۔''

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا:

((﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ' اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ' اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ))(١٩)

''ان (کے مقابلے) کے لیے جتنی ہو سکے قوت تیار کرو۔ سنو! قوت تیر اندازی ہے' سنو! قوت تیر اندازی ہے' سنو! قوت تیر اندازی ہے۔''

نیز فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ : صَانِعَهٗ يَحْتَسِبُ فِیْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِیَ بِهٖ وَمُنْبِلَهٗ' وَارْمُوْا وَارْكَبُوْا وَاَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا' لَيْسَ مِنَ اللَّهْوِ اِلَّا ثَلَاثٌ : تَأْدِيْبُ الرَّجُلِ فَرَسَهٗ وَمُلَاعَبَتُهٗ اَهْلَهٗ' وَرَمْيُهٗ بِقَوْسِهٖ وَنَبْلِهٖ))(٢٠)

''یقیناً اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کر دیتا ہے' ایک اس کو بنانے والا' جو اُس کے بنانے سے نیکی اور ثواب کی نیت رکھتا ہے' اور (دوسرا) اس تیر کو (دشمن پر) پھینکنے والا اور (تیسرا تیر انداز کو) تیر پکڑانے والا۔ اور تیر اندازی کیا کرو' اور گھوڑ سواری کیا کرو' اور مجھے تمہارا تیر چلانا سواری کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ دل لگی کی چیزیں تو صرف تین ہی ہیں: آدمی کا اپنے گھوڑے کو تربیت دینا' اور گھر والی سے دل بہلانا' اور کمان سے تیر پھینکنا۔''

لہٰذا مسلمان ایک متحدہ سلطنت کی صورت میں ہوں' یا ان کی الگ الگ حکومتیں قائم ہوں' ان کا فرض ہے کہ وہ اسلحہ تیار کریں' سامانِ جنگ مہیا کریں' مردوں کو جنگی تربیت دیں' جس

سے وہ نہ صرف اپنا دفاع کرسکیں' بلکہ زمین میں اللہ کا بول بالا کرنے' عدل وانصاف عام کرنے' اور ہر کسی تک رحمت اور بھلائی پہنچانے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ بھی انجام دے سکیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے ہاں فوجی تربیت لازمی ہو' جو نوجوان اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ جائے اسے ڈیڑھ سال کے لیے لازماً فوجی تربیت کے لیے بھیجا جائے' جس کے دوران وہ تمام فنونِ حرب میں مہارت حاصل کرے' اس کے بعد اس کا نام فوج کے عمومی رجسٹر میں درج کرلیا جائے' تاکہ جب بھی ضرورت پڑے وہ جہاد کے لیے تیار ہو۔ اگر وہ صحیح نیت کے ساتھ یہ تربیت حاصل کرے گا تو جب تک اس کا نام اس فہرست میں درج رہے گا اسے ''رباط'' کا ثواب ملتا رہے گا۔

اسی طرح مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلحہ کی فیکٹریاں لگائیں جن میں دنیا میں موجود ہر قسم کا اسلحہ تیار ہوتا رہے' بلکہ جو بھی نیا اسلحہ ایجاد ہو وہ ان فیکٹریوں میں بھی تیار ہو' اگرچہ اس کے لیے انتہائی ضروری حد تک خوراک' لباس اور رہائش کے علاوہ باقی تمام آسائشوں سے دست بردار ہونا پڑے' تاکہ وہ بہترین انداز سے فریضۂ جہاد ادا کرسکیں' ورنہ وہ سب گنہگار رہوں گے اور ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے عذاب کا خطرہ ہے۔

⑤ جہاد کے ارکان

شرعی جہاد کے نتیجہ میں یا تو عزت وشرف کی زندگی حاصل ہوتی ہے یا شہادت کی موت۔ اس جہاد کے چند ارکان ہیں' جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) صحیح نیت: کیونکہ اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔ جہاد میں نیت صرف یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کے دین کو سربلندی حاصل ہو' کوئی اور نیت نہیں ہونی چاہیے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص قوم اور قبیلہ کی حمایت کے لیے لڑتا ہے' کوئی ریاکاری اور کوئی اپنی بہادری کے اظہار کے لیے لڑتا ہے' تو فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))(۲۱)

''جو شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ (اور اس کا دین) بلند ہو تو وہی اللہ کی راہ میں ہے۔''

(۲) مسلمان قائد کی زیرِ قیادت: جہاد ایک مسلمان قائد کی زیرِ قیادت' اس کے جھنڈے تلے اور اس کے حکم سے ہونا چاہیے۔ جس طرح مسلمانوں کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ بغیر کسی امام اور قائد کے زندگی گزاریں اگرچہ ان کی تعداد کم ہی ہو' اسی طرح انہیں جہاد بھی امام کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(النساء:۵۹)

''اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' اور اپنے میں سے حکم والوں کی۔''

لہٰذا مسلمانوں کی جو بھی جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتی ہے تاکہ کافروں کے غلبہ اور تسلط سے آزادی حاصل کرے' اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنے میں سے کسی ایسے شخص کی بیعت کرے جس میں امامت کی زیادہ تر شروط —— مثلاً علم' تقویٰ' اہلیت —— موجود ہوں' پھر اپنی صفوں میں نظم و ضبط پیدا کرے' اور متحد ہو کر زبان سے' مال سے' ہاتھ سے جہاد کرے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے فتح نصیب کر دے۔

(۳) سامانِ جنگ کی تیاری: جہاد کے لیے جس جس چیز کی بھی ضرورت ہے' مثلاً ہتھیار' دوسرا ضروری ساز و سامان' افرادی قوت وغیرہ' حتی الامکان' پوری کوشش سے اسے مہیا کرنے کی جدوجہد کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال:۶۰)

''ان کے مقابلے کے لیے جتنی قوت بھی ممکن ہو تیار کرو۔''

(۴) والدین کی اجازت: جس شخص کے والدین زندہ ہوں یا اُن میں سے ایک زندہ ہو' اسے چاہیے کہ ان سے اجازت لے کر جہاد کرے۔ ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت مانگی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں''۔ تو آپؐ نے فرمایا:

((فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ)) [۲۲]

''تو اُن (کی خدمت) میں کوشش کرو''۔

لیکن جب دشمن کسی شہر پر حملہ کر دے' یا امام کسی خاص شخص کو بالتعیین حکم دے تو اُس وقت

والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۵) امام کی اطاعت: جو شخص جہاد کرے اور امام کی نافرمانی کرے اور مر جائے' وہ جاہلیت کی موت مرا' کیونکہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ کَرِہَ مِنْ اَمِیْرِہٖ شَیْئًا فَلْیَصْبِرْ عَلَیْہِ' فَاِنَّہٗ لَیْسَ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا فَمَاتَ عَلَیْہِ اِلاَّ مَاتَ مِیْتَۃً جَاہِلِیَّۃً))[۲۳]

''جو شخص اپنے امیر کی کسی بات کو ناپسند کرے اسے چاہیے کہ اس پر صبر کرے' کیونکہ جو کوئی امام (کی اطاعت) سے ایک بالشت بھی باہر نکلتا ہے اور (اسی حال میں) اسے موت آ جاتی ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔''

⑥ معرکہ میں شریک ہونے کے آداب

مجاہد کو معرکہ میں شریک ہونے کے دوران مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

(۱) پیش قدمی کے دوران ثابت قدمی اور شجاعت: اللہ تعالیٰ نے جنگ کے دوران دشمن کے مقابلے میں پسپائی کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾﴾ (الانفال)

''اے مؤمنو! جب تم پیش قدمی کر کے کافروں کے مقابل آ جاؤ تو (اس کے بعد) ان سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگنا۔''

پسپائی اس وقت حرام ہے جب کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دگنی سے زیادہ نہ ہو۔ جب دشمن کی تعداد اس سے زیادہ ہو جائے' مثلاً ایک ایک مسلمان کا مقابلہ تین تین کافروں سے ہو جائے تو پسپائی اختیار کرنا حرام نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دشمن کو دھوکا دینے کے لیے پیچھے ہٹتا ہے تو اسے شکست خوردہ نہیں کہا جا سکتا' اور اسے کوئی گناہ نہیں ہوتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِلاَّ مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ﴾ (الانفال:۱۶)

''مگر جو جنگ کے لیے پہلو بدلتا ہے یا جماعت میں آ ملنے کے لیے (دشمن کی طرف پیٹھ کرتا ہے' اس پر گناہ نہیں)''۔

(۲) دل اور زبان سے اللہ کو یاد کرے: اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید کو یاد کر کے' اور اس کی اپنے دوستوں کی مدد کو یاد کر کے اس سے قوت طلب کرے' اس طرح دل مضبوط ہوگا اور ثابت قدمی حاصل ہوگی۔

(۳) اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے: ان کے احکام کی مخالفت نہ کرے اور کسی ممنوع کام کا ارتکاب نہ کرے۔

(۴) اختلاف اور جھگڑے سے پرہیز کرے: تاکہ تمام مجاہدین ایک صف کی طرح جنگ میں شریک ہوں جس میں کوئی شگاف نہ ہو' سب کے دل بھی ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں' اور ظاہری طور پر بھی ایک دوسرے کے دوش بدوش سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ایک دوسرے کے لیے قوت کا باعث ہوں۔

(۵) ثابت قدمی: فداکاری اور سر کٹانے کے جذبے سے جنگ میں شریک ہوں' حتیٰ کہ دشمن شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ (الانفال)

''اے مؤمنو! جب (میدان جنگ میں) تمہارا کسی جماعت سے سامنا ہو تو ثابت قدم رہو' اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو' ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی' اور صبر کرو' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد' باب فضل الجهاد والسیر۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب تحریم مکة وصیدها وخلاها وشجرها ولقطتها الا لمنشد علی الدوام۔

(۲) مسند احمد' ج۳' ص ۱۲٤۔ سنن ابی داوٗد' کتاب الجهاد' باب کراهیة ترك الغزو۔ وسنن النسائی' کتاب الجهاد' باب وجوب الجهاد (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان وان الایمان یزید وینقص وان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر واجبان۔

(٤) *اس مفہوم کی ایک حدیث بیہقی اور خطیب کی ''تاریخ'' میں مذکور ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔*

(٥) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب افضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله فی سبیل الله۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والرباط۔

(٦) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب افضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله فی سبیل الله۔

(٧) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب فضل الجهاد۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الشهادة فی سبیل الله (بالمعنی)۔

(٨) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من یجرح فی سبیل الله عزّوجل۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللّٰه۔ (*یہ جملہ صرف صحیح مسلم میں ہے: ''اور اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا''*)

(٩) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث نفسه بالغزو۔ وسنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب کراهیة ترك الغزو۔ (*الفاظ سنن ابی داوٗد کے ہیں*)۔

(١٠) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب تمنی الشهادة۔

(١١) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من اغبرت قدماه فی سبیل الله۔

(١٢) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الشهادة فی سبیل اللّٰه تعالیٰ۔

(١٣) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب فضل رباط یوم فی سبیل الله۔ *ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ''(اللہ کی راہ میں) ایک دن اور ایک رات سرحد پر ٹھہرنا مہینہ بھر کے صیام وقیام سے بہتر ہے''*۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الرباط فی سبیل الله عزوجل۔

(١٤) سنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی فضل الرباط۔ وجامع الترمذی، کتاب فضائل الجهاد عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطا۔

(١٥) معجم طبرانی۔ ومستدرك حاکم، کتاب الجهاد، باب ذکر لیلة هی افضل من لیلة القدر۔ *اس کی سند حسن ہے۔*

(١٦) معجم طبرانی۔ ومستدرك حاکم ، کتاب الجهاد، باب حرمت النار علی عین سهرت فی سبیل الله۔ *ایک روایت میں الفاظ ہیں: ''وہ آنکھ آگ پر حرام ہے جو اللہ کی راہ میں رات کو جاگتی رہی''*۔ سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب ثواب عین سهرت فی سبیل الله عزوجل۔

(١٧) مسند احمد۔ *اس کی سند صحیح ہے۔*

(۱۸) سنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی فضل الحرس فی سبیل الله۔

(۱۹) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیه وذم من علمه ثم نسیه۔

(۲۰) جامع الترمذی، کتاب فضائل الجهاد عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی فضل الرمی فی سبیل الله۔وسنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی الرمی۔ وسنن النسائی، کتاب الخیل، باب تأدیب الرجل فرسه۔وسنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب الرمی فی سبیل الله (نحوہ)۔

(۲۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا۔وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله۔

(۲۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الجهاد باذن الابوین۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدین وانهما احق به۔

(۲۳) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امورا تنکرونها۔ وصحیح مسلم،کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن۔ (*یہ الفاظ مسلم کی روایت کے مطابق ہیں*)۔

امام عبداللہ بن وہبؒ

عبدالرشید عراقی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک فقہی مسلک کے بانی تھے۔ امام مالکؒ کے بعد ان کے تلامذہ نے اپنے استاد کے مسلک کی اشاعت اور ترویج وترقی میں سب سے زیادہ محنت کی اور اپنی اس محنت میں کامیاب وکامران ہوئے۔ ان میں عبداللہ بن وہبؒ سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

عبداللہ بن وہبؒ کی کنیت ابومحمد تھی۔ ان کا آبائی وطن مصر تھا۔ ۱۲۴ھ ان کا سن ولادت ہے۔ (۱)

تعلیم: ۱۷ سال کی عمر میں تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مصر میں اُس وقت امامِ حدیث حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا درس جاری تھا اور ان کے درس حدیث کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ عبداللہ بن وہب نے سب سے پہلے حضرت لیث بن سعد سے اکتساب فیض کیا۔

رحلت وسفر: حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کے بعد عبداللہ بن وہب نے مکہ، مدینہ اور بغداد کا سفر کیا اور وہاں کے ائمہ کرام سے استفادہ کیا۔

آپ نے بغداد کے قیام میں مشہور تابعی ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی، لیکن ان سے استفادہ نہیں کر سکے۔ اسی طرح مشہور تابعی عبیداللہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھا، لیکن ان سے بھی کسب فیض کا موقع نہ مل سکا۔

اساتذہ: اربابِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن وہب نے چار سو اصحابِ علم وفضل سے استفادہ کیا تھا۔ لیکن ان کے مشہور اساتذہ میں لیث بن سعد، امام مالک، سفیان بن عیینہ، یونس بن زید اور ابن جریج شامل ہیں۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن صالح، یونس بن عبدالاعلیٰ اور ربیع بن سلیمان۔

امام مالکؒ سے خصوصی تعلق: عبداللہ بن وہب نے سب سے زیادہ طویل زمانہ حضرت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارا۔ آپ تقریباً ۲۰ سال تک امام مالک کی صحبت میں رہے اوران کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔

امام مالک بھی ان کی ذہانت و ذکاوت اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کے معترف تھے۔ جب عبداللہ بن وہب امام مالک سے علم حاصل کرنے کے بعد مصر چلے گئے تو امام مالک سے ان کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ امام مالک ان کو فقیہہ مصر اور مفتیٔ مصر کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ ابن وہب نے بھی اپنے استاد کے فقہی مسلک کی اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ ابن وہب خصوصیت کے ساتھ امام مالک کے علوم کے حامل تھے۔(۲)

حدیث سے شغف: حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن وہب کو بہت زیادہ شغف تھا اور اس فن میں جامع الکمالات تھے۔ ائمہ حدیث اور اربابِ تذکرہ نے حدیث میں ان کے تبحر علمی، ژرف نگاہی اور جامع الکمال ہونے کا اعتراف کیا ہے اور ان کو ثقہ و ثابت تسلیم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''حجاز اور مصر کے اہل علم میں حدیث نبوی کا جو ذخیرہ پھیلا ہوا تھا اس کو انہوں نے یاد کیا، پھر اس کو جمع کر کے مدون و مرتب کیا، حتیٰ کہ ان کے مسانید و مقاطیع سب کو جمع کر ڈالا۔ میں نے ان کے ذخیرۂ روایات میں کوئی منکر روایت نہیں دیکھی''۔

فقہ میں کمال: عبداللہ بن وہب کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال رہے تھے۔ اس لیے حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی ان کو بہت عبور حاصل تھا۔ محدثین، ائمہ کرام اور اربابِ تذکرہ نے فقہ میں بھی ان کے جامع الکمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے استاد حضرت امام مالک ان کو فقیہہ مصر تسلیم کرتے تھے۔(۳)

جامعیت: عبداللہ بن وہب کی شانِ جامعیت علم کو علمائے اسلام نے تسلیم کیا ہے۔ حدیث نبویؐ سے مسائل کے اجتہاد اور استنباط میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ اسی لیے حافظ ذہبی نے ان کو حافظ حدیث کے ساتھ مجتہد بھی لکھا ہے۔(٤)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

> ''عبداللہ بن وہب اپنے زمانے میں حجت تھے۔ تمام لوگ ان کی مرویات پر کمال وثوق اور اعتماد رکھتے تھے۔ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ خود مجتہد تھے، البتہ طریقہ اجتہاد و تفقہ میں وہ امام مالک اور لیث بن سعد کا اتباع کرتے تھے''۔(٥)

علم و فضل: ابن وہب کے غیر معمولی قوت حافظہ، ذہانت و فطانت اور تمام علومِ اسلامیہ میں ان کی ژرف نگاہی اور عبور کامل کی وجہ سے محدثین، ائمہ کرام اور اربابِ سیر نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے انہیں ''الامام الحافظ'' لکھا ہے۔(٦)

ابن خلکان نے ''**کان احد ائمة عصره**'' لکھا ہے۔(٧)

ابن عماد الحنبلی نے ان کو ''**الامام البحر**'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔(٨)

اخلاق و عادات: ابن وہب اخلاق و عادات کے اعتبار سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ بہت زیادہ عبادت گزار اور صاحب تقویٰ و طہارت تھے۔ علمائے اسلام نے ان کو ''**کان من العباد**'' (یہ عبادت گزاروں میں تھے) لکھا ہے۔(٩)

حرمین شریفین کی زیارت کا جذبہ ان میں عشق کی حد تک تھا۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ٣٦ حج کیے۔(١٠)

خوفِ خدا سے بہت زیادہ لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ان کے سامنے جب قیامت کا ذکر آتا تو ان کی آنکھیں برس پڑتیں، اور بعض دفعہ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر سن کر بے ہوش ہو جاتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

''ایک بار ایک شخص نے ابن وہب کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَـكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾﴾ (المؤمن)

''اور جب دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر والوں سے (جن کے یہ تابع تھے) کہیں گے کہ ہم تو تمہارے سپرد تھے، تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ وہ بڑے لوگ جواب دیں گے: ہم تو سبھی اس آگ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے''۔

آپ نے سنا تو غشی کی کیفیت طاری ہو گئی، بہت دیر تک غشی کی حالت میں رہے اور خوفِ خدا ہی ان کی موت کا سبب بنا۔ اتنا اثر ہوا کہ بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے''۔(١١)

وفات: ان کے تلامذہ ان کو اٹھا کر گھر لائے اور اسی حالت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یہ حادثہ شعبان ١٩٧ھ میں پیش آیا۔ عمر ٧٢ سال تھی۔

سیرت و کردار: سیرت و کردار میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔اگر کبھی غلطی سے کسی کی غیبت ہو جاتی تو اس کا کفارہ روزہ سے ادا کرتے تھے۔ابن وہب کو جہاد کا شوق بھی تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ تبع تابعین میں امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام عبداللہ بن وہبؒ جہاد کا بہت زیادہ شوق رکھتے تھے۔(۱۲)

تصنیف: ابن خلکان لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن وہب نے کئی کتابیں لکھیں:

وله مصنفات فی الفقه معروفة ''علم فقہ میں ان کی تصانیف معروف ومشہور ہیں''۔

قیامت کے اہوال پر بھی ایک کتاب تصنیف کی اور مؤطا امام مالک کے طرز پر بھی ایک کتاب مرتب کی۔(۱۳)

حواشی

(۱) تاریخ ابن خلکان، ج۱، ص۲۴۹۔
(۲) تہذیب التہذیب، ج۶، ص۷۴۔
(۳) تہذیب التہذیب، ج۶، ص۷۳۔
(۴) تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۸۰۔
(۵) بستان المحدثین، ص۱۶۔
(۶) تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۸۰۔
(۷) ابن خلکان، ج۱، ص۲۴۹۔
(۸) شذرات الذہب، ج۱، ص۳۴۷۔
(۹) تهذیب التهذیب، ج۶، ص۷۴۔
(۱۰) تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۷۹۔
(۱۱) تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۸۱۔
(۱۲) تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۷۹۔
(۱۳) تاریخ ابن خلکان، ج۱، ص۲۴۹۔

❀❀❀

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (52)

سوڈان

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

سوڈان : ایک نظر میں

رقبہ:2,505,810 مربع کلومیٹر

آبادی:تقریباً چار کروڑ

دارالحکومت:خرطوم (آبادی58لاکھ)

زبانیں:عربی‘نیوبائی(یانوبی)ودیگرمقامی بولیاں

نسلیں : حبشی 50فیصد‘ عرب 39فیصد‘ بیجا6فیصد‘غیرملکی2فیصد

مذہب : مسلمان 70فیصد‘ لامذہب 25فیصد‘ عیسائی5فیصد

شرح خواندگی:62فیصد

کل قومی پیداوار:70.95ارب ڈالرسالانہ

فی کس آمدنی:1900ڈالر

افراطِ زر:8.8فیصد

بے روزگاری:18.7فیصد

زراعت : کپاس‘ مٹر‘باجرہ‘ جو‘ گندم‘ عربی گوند‘ گنا‘ کساوا‘ پھل‘ مویشی

صنعت : تیل‘ پارچہ بافی‘سیمنٹ‘ نباتی تیل‘ چینی‘ جوتے‘ادویہ سازی

تیل کے ذخائر:632ارب بیرل

تیل کی سالانہ پیداوار:دولاکھ دس ہزار بیرل روزانہ

برآمدات:2.45ارب ڈالر (تیل اور متعلقہ مصنوعات‘ کپاس‘ سیم‘ والیں‘عربی گوند‘مویشی)

درآمدات: 2.383ارب ڈالر (غذائیں‘ ریفائنری اورٹرانسپورٹ کے آلات‘ادویہ‘ کیمیکل‘ پارچہ جات اورگندم)

تجارتی ساتھی : چین‘ سعودی عرب‘ برطانیہ‘ متحدہ عرب امارات‘ جرمنی‘ بھارت‘فرانس

کرنسی:سوڈانی دینار

ٹی وی سٹیشن: 3

بندرگاہیں:جوبا‘ خرطوم‘ کتی‘پورٹ سوڈان

ہوائی اڈے:63

کل فوج:سوالاکھ

اخبارات کی خواندگی فی ہزار:35

کاروں کی تعداد فی ہزار:16

سوڈان رقبے کے لحاظ سے براعظم افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کے شمال میں مصر‘ مشرق میں بحیرۂ قلزم اور حبشہ‘ جنوب میں کینیا‘ یوگنڈا اور زائرے اور مغرب میں چاڈ اور سنٹرل افریقن ری پبلک واقع ہیں۔ شمال مغرب میں سوڈان کی سرحد لیبیا سے ملی ہوئی ہے۔

قدیم عرب جغرافیہ دان صحرائے اعظم کے جنوبی خطے کو بلاد السودان سے موسوم کرتے تھے‘ جس کے لفظی معنی ہیں ’’ کالوں کا ملک ‘‘۔ اس کا اطلاق ان تمام افریقی علاقوں پر ہوتا تھا جہاں کے باشندے سیاہ فام ہیں‘ لیکن عرب اور اہل یورپ دونوں نے اس لفظ کا اطلاق ان علاقوں کے صرف شمالی حصے پر کیا ہے اور عام معنی میں اس سے زیر صحرائی افریقہ کا وہ حصہ مراد ہے جہاں اسلام کا اثر پہنچ چکا ہے۔

ساتویں صدی کے اواخر میں مصر اور المغرب کے مسلمان سوڈان کی تجارتی منڈیوں میں آنے جانے لگے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں یہاں اسلام کی اشاعت شروع ہوگئی۔ اگرچہ بعض

روایات کے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہاں کے نوبہ حکمرانوں سے ایک معاہدہ ہوا تھا۔ اس علاقے کے بارے میں پہلے تأثرات ہمیں ابن بطوطہ کے سفرنامے میں ملتے ہیں۔ وہ 1352ء میں یہاں سے گزرے تھے۔ وادیٔ نیل کے منطقہ نوبہ میں اسلام ابتدائی زمانے میں پھیل گیا تھا' لیکن اسے سوڈان کے مشرقی صوبوں تک پہنچنے میں بڑا عرصہ لگا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں صحرائے اعظم کے بربروں کے ذریعے اسلام کی باقاعدہ تحریک شروع ہوئی۔ اسے المرابطی تحریک بھی کہا جاتا ہے۔ یوسف بن تاشفین کے چچازاد بھائی ابوبکر بن عمر نے مرابطون کے ساتھ مل کر سلطنت گھانا کا خاتمہ کیا' جو یہاں طویل عرصے سے مسلط تھی۔

مغربی سوڈان میں اسلام اٹھارہویں صدی میں پھیلا۔ 1802ء میں عثمان فوجو تکروری نے حوصہ کے قبائل کو مسلمان کر کے سوکوتو کی مملکت قائم کی۔ مشرقی سوڈان میں اسلام سولن سلمان نامی حکمران کے عہد میں پھیلا۔ اُس کے ایک جانشین تہراب نے کردفان فتح کیا اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں یہاں کے قبیلے کلداجی کو مشرف باسلام کیا۔

1820ء میں مصر کے حکمران محمد علی پاشا نے سوڈان فتح کیا۔ فنج اور دارفور کے مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

1863ء میں اسماعیل پاشا مصر کا حکمران بنا۔ اس نے ویانا اور پیرس میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ملک کو جدیدیت کی راہ پر ڈالنے کے لیے اس نے یورپ سے عیسائیوں کے کئی جتھے منگوائے۔

1869ء میں ایک انگریز سیموئیل بیکر کو سفید نیل کی مہم سر کرنے کے لیے بھرتی کیا گیا۔ اس نے 1873ء میں وسطی افریقہ تک رسائی حاصل کر کے مصری سوڈان کا ایک ''استوائی صوبہ'' تشکیل دیا۔

1874ء۔ چارلس جورج گورڈن کو نئے صوبے کا گورنر بنایا گیا۔ یہ انگریز اس سے پہلے چین میں ایک فرضی نام سے اپنی خدمات کا لوہا منوا چکا تھا۔ اسماعیل پاشا نے اسے پورے سوڈان کا گورنر بنا دیا۔

مصری سوڈانیوں کو کمتر سمجھتے اور اُن سے بھاری ٹیکس وصول کرتے۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد سوڈانی باشندوں میں شراب اور قمار بازی جیسی برائیاں گھر کر گئی تھیں۔ عیسائی مشنری ادارے پورے سوڈان میں عیسائیت کے پرچار میں مصروف تھے۔ ان حالات میں ایک مصلح محمد احمد (مہدی سوڈانی) اٹھے۔ 1881ء میں انہوں نے تحریک مہدویت کی بنیاد رکھی اور انگریزوں کے خلاف عملی جہاد میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے کردفان' دارفور' بحر الغزال اور سنار یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ 26 جنوری 1885ء کو خرطوم بھی تسخیر ہو گیا۔ اس لڑائی میں چارلس گورڈن مارا گیا۔

فتح خرطوم کے صرف پانچ ماہ بعد محمد احمد (مہدی سوڈانی) 22 جون 1885ء کو اپنے قائم کردہ دارالحکومت اُم درمان میں انتقال کر گئے۔ خلیفہ عبداللہ ان کے جانشین بنے۔ وہ حکومت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے میں ناکام رہے۔ 1897ء میں بالائی نیل میں کانگو کی بلجین فوجوں نے اسے شکست دی۔

1898ء۔انگریزوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے سوڈان پر پھر فوج کشی کی۔اس حملے کا کمانڈر لارڈ کچنر تھا۔خلیفہ عبداللہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا' مگر مسلمان اندرونی خلفشار اور جامعہ ازہر کے علماء کے فتویٰ کفر کی وجہ سے پسپا ہو گئے۔جامعہ ازہر کے علماء نے مہدی سوڈانی کی تحریک آزادی کو خلافِ اسلام اور مہدی سوڈانی کو کافر قرار دے دیا تھا۔انگریزوں نے یہ فتویٰ گھر گھر پہنچایا اور زرخرید مولویوں کے ذریعے مہدی کی تحریک کو ناکام بنا دیا' یہاں تک کہ جب 1898ء میں لارڈ کچنر سوڈان پر دوبارہ قابض ہوا تو اس نے مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا کر اس کی لاش نکالی' سر کاٹا اور سر کی نمائش کرائی اور اس کا مقبرہ توپوں کی گولہ باری سے تباہ کر دیا۔مہدی کا سر جنرل گورڈن کے بھتیجے کے پاس بھیج دیا' تاکہ وہ مزید انتقام لے سکے۔لارڈ کچنر نے خرطوم پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔خلیفہ عبداللہ 1899ء میں کرنل ونگیٹ کے فوجیوں کے ہاتھوں کردفان میں شہید ہو گئے۔اب سوڈان پر انگریزوں اور مصریوں کا تسلط قائم ہو گیا۔

1936ء۔برطانیہ اور مصر کے درمیان معاہدہ ہوا' جس کے تحت سوڈان کا مکمل نظم و نسق گورنر جنرل کے سپرد کر دیا گیا۔

1951ء۔مصر نے برطانیہ کی رضامندی سے سوڈان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

1954ء۔فروری میں مصر اور برطانیہ کے درمیان معاہدہ ہوا' جس کے تحت عبوری دور کے لیے سوڈان پر مصر اور برطانیہ کا مشترکہ اقتدار رہا۔

1956ء۔یکم جنوری کو ریفرنڈم ہوا' جس میں اہل سوڈان نے اپنے لیے آزادی کا حق منوالیا۔

1958ء۔جنرل ابراہیم عبود ایک پرامن فوجی انقلاب کے ذریعے برسر اقتدار آ گئے۔

1964ء۔جنرل ابراہیم عبود اپنے خلاف عوامی تحریک کے سامنے جھک جاتے ہیں اور مستعفی ہو جاتے ہیں۔

1965ء۔عام انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں ایک مخلوط حکومت بنی۔محمد احمد اور محجوب مل کر مخلوط حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک چلاتے ہیں۔

1968ء۔نئی آئین ساز اسمبلی کو بھی منسوخ کر دیا جاتا ہے۔نئے انتخابات ہوتے ہیں۔نئی اسمبلی ایک سپریم کونسل بناتی ہے' جس کا صدر اسماعیل الازہری کو منتخب کیا جاتا ہے۔

1969ء۔کرنل جعفر نمیری کا فوجی انقلاب سپریم کونسل کو ختم کر دیتا ہے۔نیا آئین منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ایک انقلابی کونسل بنائی جاتی ہے۔

1970ء۔ایک ناکام فوجی بغاوت کی کوشش ہوئی جس میں اس کا سرغنہ ہلاک ہو گیا۔بینک' پریس' غیر ملکی تجارتی فرمیں اور ملکی صنعتیں قومیالی گئیں۔کابینہ سے کمیونسٹ وزیروں کو نکال دیا گیا۔

1971ء۔کمیونسٹوں نے بغاوت کر دی۔چند دن غائب رہنے کے بعد نمیری پھر برسر اقتدار آ گئے۔کمیونسٹ پارٹی کو خلافِ قانون قرار دے کر اس کے سرغنے پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔''سوڈان

سوشلسٹ یونین‘‘ کے نام سے ملک کی واحد سیاسی جماعت تشکیل دی گئی۔ لیبر یونینوں کو قومیا لیا گیا۔ ملک میں ریفرنڈم ہوا‘ جس کی رو سے کرنل جعفر نمیری کو وسیع آمرانہ اختیارات مل گئے۔

1972ء۔ جنوبی صوبے میں خانہ جنگی کے خاتمے کے لیے ادیس ابابا معاہدہ ہوا۔ اس علاقے کو اندرونی خودمختاری دے دی گئی۔ امریکہ کے ساتھ تعلقات استوار ہوئے۔

1973ء۔ فلسطینیوں کے ’’بلیک ستمبر‘‘ گروپ نے امریکی سفیر اور اس کے ڈپٹی کو ہلاک کر دیا۔ ملک میں نیا آئین نافذ ہوا۔

1975ء۔ لیبیا جعفر نمیری کے خلاف ناکام فوجی بغاوت کراتا ہے۔ سوڈان لیبیا سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیتا ہے۔

1977ء۔ سیاسی قیدیوں کو عام معافی ملی۔ سابق وزیراعظم صادق المہدی جو لندن میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے‘ خرطوم واپس آ گئے۔

1978ء۔ پہلے پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ مخالف دھڑوں نے تقریباً نصف نشستیں حاصل کر لیں۔ سوڈانی پونڈ کی قیمت کم کر دی گئی۔

1979ء۔ طلبہ نے ہنگامے برپا کیے۔ نائب صدر کو اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔

1980ء۔ مصر اور اسرائیل میں سفارتی تعلقات قائم ہوئے تو سوڈان نے سخت احتجاج کیا۔

1981ء۔ اسمبلی توڑ دی گئی۔ جنوبی سوڈان کی انتظامی کونسل تحلیل کر دی گئی۔

1982ء۔ جنوبی سوڈان کی اسمبلی کے لیے نئے انتخابات ہوئے۔ مصر کے ساتھ علاقائی تعاون کا معاہدہ ہوا۔

1983ء۔ جعفر نمیری تیسری مرتبہ صدر منتخب ہوئے۔ ملک میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہوا۔ جنوبی سوڈان میں عیسائیوں نے بغاوت کر دی۔

1984ء۔ ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان ہوا۔ فوری انصاف کی عدالتیں قائم ہوئیں۔

1985ء۔ سوڈان کے مردِ آہن جعفر نمیری نے‘ جنہوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے اہل قوم کو اسلامی شریعت نافذ کرنے کا پروگرام دیا تھا‘ 9/اپریل کو پاکستان کے سرکاری دورے پر اسلام آباد پہنچنے والے تھے کہ اُن کے دست راست وزیر دفاع جنرل عبدالرحمٰن سوار الذہب نے ایک پرامن فوجی انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

جنرل عبدالرحمٰن کے عہد میں شمالی سوڈان اور جنوبی سوڈان کے باشندوں میں زبان‘ نسل‘ مذہب اور سیاسی رسہ کشی کی بنیاد پر خانہ جنگی ہوتی رہی۔ دس لاکھ سوڈانی ہلاک ہوئے۔ ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں آ گیا۔

1986ء۔ عبوری فوجی حکومت نے عام انتخابات منعقد کروائے۔ اُمّہ پارٹی اور جمہوری

یونینسٹ پارٹی اکثریت سے کامیاب ہوئیں۔عبوری حکومت نے اقتدار اُمّہ پارٹی کے سربراہ صادق المہدی کے سپرد کر دیا جو وزیراعظم بن گئے۔

1987ء۔جنوبی سوڈان میں خانہ جنگی جاری رہی۔معاشی حالات بدتر ہو گئے۔جولائی میں دوبارہ ہنگامی حالات نافذ کر دیے گئے۔نیشنل اسلامک فرنٹ (الاخوان) نے حکومتی پالیسی پر زبردست تنقید کی۔

1989ء۔فوج کے سربراہ جنرل عمر حسن احمد البشیر نے ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی کو ختم کرنے کے لیے مارشل لاء نافذ کر دیا۔جنرل عمر نے ملک میں شریعت اسلامی کا احیاء کیا۔ان کے دور میں ''نیشنل اسلامک فرنٹ'' خوب پھلا پھولا جس کے سربراہ حسن الترابی تھے۔

پارلیمانی جمہوریت تین برس پہلے بحال ہوئی تھی۔صادق المہدی اس کے وزیراعظم تھے۔انقلاب کے ایک ہفتے بعد انہیں خرطوم میں ایک دوست کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ان کی بیوی بھی حراست میں لے لی گئیں۔صادق المہدی نے تین سال کے عرصے میں کئی مخلوط حکومتیں بنائیں جو سیاسی لحاظ سے غیر مستحکم تھیں۔فوج اس سلسلے میں انہیں کئی بار وارننگ دے چکی تھی۔آزاد سوڈان کی 33 سالہ تاریخ میں یہ چوتھا فوجی انقلاب تھا۔

1993ء۔جنرل عمر بشیر سرکاری طور پر سوڈان کے صدر بن گئے۔

1996ء۔ملک میں صدارتی انتخابات ہوئے جو صدر عمر بشیر نے جیت لیے'اگرچہ حزب اختلاف کے کئی گروہوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔

1999ء۔ملک میں کثیر جماعتی نظام دوبارہ قائم کر دیا گیا۔حسن الترابی کو نظر بند کر دیا گیا' کیونکہ وہ پارلیمنٹ کے ذریعے صدر عمر البشیر کے اختیارات کم کرنا چاہتے تھے۔

2004ء۔دارفور میں باغیوں نے حکومت کے خلاف لڑائی جاری رکھی۔چونکہ وہ عیسائی ہیں' اس لیے امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں نے سوڈانی حکومت پر زور دیا کہ وہ باغیوں کے خلاف فوجی کارروائی بند کرے' ورنہ سوڈان پر حملہ کر دیا جائے گا۔

سوڈان کا دارالحکومت خرطوم ہے۔شمالی خرطوم اور اُم درمان ایک پل کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔خرطوم 1821ء میں مصری چھاؤنی کے طور پر وجود میں آیا۔1884ء میں مہدوی تحریک کا مرکز بنا۔انگریز گورنر جنرل لارڈ کچنر نے 1898ء میں اسے اینگلو مصری سوڈانی حکومت کے صدر مقام کی حیثیت دی۔دارالحکومت کے علاوہ خرطوم سوڈان کا ایک صوبہ بھی ہے' جس کی تقریباً آدھی آبادی دارالحکومت میں رہتی ہے۔سوڈان کا دوسرا بڑا شہر عبدالرحمٰن ہے۔اس کی آبادی پچیس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔یہ ایک صنعتی شہر ہے۔پورٹ سوڈان سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔اس کی آبادی چھ لاکھ کے قریب ہے۔پورٹ سوڈان اور خرطوم کے درمیان تیل کی پائپ لائن بچھائی گئی ہے۔oo